پٹھان شاعرات کا تذکرہ

ڈاکٹر خان محمد عاطف

شعبۂ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

URDU ADAB DIGITAL
LIBRARY (BAIG_RAJ)

اُردو ادب ڈیجیٹل لائبیریری (بیگ راج)

+92 – 307 - 7002092

اُردو ادب ڈیجیٹل لائبریری میں تمام ممبران کو خوش آمدید
اُردو ادب کی پی ڈی ایف کتابوں تک باآسانی رسائی کیلئے
ہمارے واٹس ایپ گروپ اور ٹیلی گرام چینل کو جوائن
کریں۔ اور باآسانی کتابیں سرچ اور ڈاؤنلوڈ کریں۔

واٹس ایپ لنک:
HTTPS://CHAT.WHATSAPP.COM/FSBIJHJMKBQBNKUPZFE5Z
HTTPS://CHAT.WHATSAPP.COM/HI9ER6LOZGP9MXZBUJQFZD

TELEGRAM - HTTPS://T.ME/JUST4U92

فیس بک پیج لنک : HTTPS://WWW.FACEBOOK.COM/ALMUGHAL.URDU.PAGE

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل اردو کمیٹی حکومتِ اتر پردیش لکھنؤ کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

مصنف ———— خان محمد عاطف
ناشر ———— خان محمد عاطف
خوشنویس ———— عبدالاحد خان لکھنؤ
طابع ———— نشاط پریس ٹانڈہ
تعداد ———— چھ سو (۶۰۰)
سنِ اشاعت ———— ۱۹۸۳ء طبع اول
قیمت ————

حقِ اشاعت محفوظ

ملنے کا پتہ

ڈاکٹر خان محمد عاطف، ۳/۲۲.۱ اسٹیشن روڈ، لکھنؤ

صدیق بک ڈپو۔ امین آباد۔ لکھنؤ

دانش محل۔ امین الدولہ پارک، لکھنؤ

فہرست

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
سبب تالیف	۵	پنہاں ، سپہر آرا بیگم	۱۰۰
کچھ کتاب کے بارے میں	۹	تسنیم ، جمیلہ خاتون	۱۰۴
دیباچہ	۱۱	حجاب ، انوری جہاں بیگم	۱۱۴
پٹھان شاعری کا مزاج	۲۹	حیاتی	۱۲۳
افغان ، پختون یا پٹھان	۳۵	حفیظ فاطمہ بریلوی	۱۲۴
افغان ،	۴۱	خانزادی	۱۲۶
آرین یا بنی اسرائیل	۴۵	زاہدہ ۔ زاہدہ خاتون	۱۲۷
آرین اقوام کی ابتدائی آبادیاں	۴۹	زاہدہ خلیق الزماں	۱۴۸
ار ۔ آریہ ۔ آریا ۔ ایرین	۵۵	شاہجہاں ، نواب شاہجہاں بیگم	۱۵۰
انیسہ بیگم	۸۸	شرم ۔ شمس النساء بیگم	۱۵۶
آفاق ، ملکہ آفاق زماں بیگم ۔	۹۱	صفیہ شمیم ملیح آبادی	۱۵۹
برق ۔ بشیر النساء بیگم	۹۷	عبرت ۔ زینب بیگم	۱۹۰
بلقیس ۔ بلقیس بیگم	۹۸	عابدہ ، امراؤ بیگم	۱۹۳

عصمت۔ رفعت زمانی بیگم ۱۹۵
غزالہ۔ میمونہ خاتون ۱۹۷
فصیحہ خانم ۱۹۹
قمر۔ قمرالنساء ۲۰۰
گوہر۔ گوہر بیگم ۲۰۳
لطیف، لطیف النساء ۲۰۵
محمودہ۔ محمودہ اختر ۲۰۷
مہری ۲۰۸
مخفی۔ سیدہ جہاں ۲۱۰
ناز۔ نازنیں بیگم ۲۱۳
نظیر حسن۔ نظیر جہاں ۲۲۶
فہرست کتابیات

سبب تالیف

ہر تصنیف و تالیف کا سبب کوئی بڑا واقعہ ہوا کرتا ہے۔ پٹھان شاعرات کا تذکرہ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ بات یوں ہے کہ جب میں چھ دن کا تھا تو میری والدۂ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ میرے ماموں عبدالرب خاں صاحب مرحوم برادر خورد مولانا ملیح آبادی اپنی مرحومہ بہن کی آخری نشانی سمجھ کر نہایت جذباتی انداز میں مجھے اٹھا لے گئے۔ جب گھر پہونچے تو ممانی نے پوچھا "یہ بچہ کس کا ہے"؟

بولے — بہن کا انتقال ہو گیا، بچہ میں لے آیا۔

ممانی نے کہا۔ لیکن یہ جیئے گا کیسے؟ دودھ کہاں سے آئے گا — اس لیے کہ ان کا بچہ کئی ماہ پہلے دودھ چھوڑ چکا تھا۔

ماموں یہ سُنکر دودھ پلانے والی کی تلاش میں نکلے لیکن شام تک کوئی ایسی عورت نہ مل سکی۔ مغرب بعد تھکے ہارے گھر پہونچے۔ ممانی نے پانی رکھا اور کہا — منھ ہاتھ دھوکر کھانا کھالو۔

خاں صاحب کو جلال آگیا۔ وضو کیا اور بیوی سے کہا — "اسے دُودھ تم پلاؤ گی"۔

انھوں نے جواب دیا — "میرے دُودھ نہیں ہے"۔

بولے — "ابھی آخری لڑائی باقی ہے جس کے بھروسہ پر لایا ہوں وہی دودھ دے گا"، یہ کہہ کر سجدہ میں سر رکھ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا شروع کر دی۔ پاک پروردگار

تو بچھڑوں کو زندگی دیتا ہے، تو چاہے تو درخت اس بچّہ کو دُودھ پلانے لگے۔ میری شریکِ حیات کو اِس معصوم کی زندگی کے لیے دودھ عطا کر ورنہ لوگ طعنہ دیں گے۔ بچّہ کو لے تو بڑی شان سے گئے تھے مگر مار ڈالا۔ میری کوئی شان نہیں، اصل شان تو تیری ہی ہے۔ میں تیرا حقیر بندہ ہوں تو نے نمرود و فرعون کو نوازا تھا۔ تو زندہ و پائندہ ہے تیری شان ہے بندوں کی مدد کرنا، حبیبِ پاک کے صدقہ میں اس معصوم کی مدد کر۔"

"یہ کہتے جاتے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے ——— پروردگار میں دنیا سے ہار چکا ہوں ——— میری لڑائی تجھ سے ہے، تجھ سے ہار کر کہیں کا نہیں رہوں گا۔"

اسی بیچ ممانی نے پاس جا کر پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور کہا ——— اٹھو تمھاری دعا قبول ہو گئی خدا کے فضل سے اتنا دودھ اُتر آیا ہے کہ اگر کوئی اور بچّہ ہو تو وہ بھی پی سکتا ہے۔

یہ سنتے ہی دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ جانماز آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس طرح اس ناتواں کو توانائی ملی۔

میری ممانی ملکہ خاتون مولوی قدرت اللہ بیگ راد ملیح آبادی کی بیٹی تھیں۔ مولوی قدرت اللہ بیگ کو فارسی زبان پر ایسی قدرت حاصل تھی کہ مرحوم نے اٹھارہ ہزار اشعار بے نقط نبیِ کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کی شانِ اقدس میں کہے تھے۔ ساڑھے چار ہزار اشعار کا انتخاب "مطالع المحامد" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ شاہنامہ کی طرز میں ایک طویل نظم شاہنامۂ اسلام کہی تھی جس میں بتایا تھا کہ فردوسی کو فارسی زبان و بیان پر قدرتِ کاملہ نہیں تھی اور اس کی غلطیوں کا، جو زبان و بیان کی تھیں اس نظم میں تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ یہ نظم ان کے ایک شاگرد کے قبضہ میں ہے۔

مرحومہ ملکہ خاتون خود بڑی عالمہ و فاضلہ تھیں کسی شخص یا چیز کو دیکھ کر ویسی ہی تصویر بنا دیتی تھیں۔ ایک بار اگر کوئی کتاب پڑھ لیں تو پوری کتاب یاد ہو جاتی تھی اس

طرح ہزاروں لاکھوں اشعار ان کے ذہن میں محفوظ تھے۔ کسی ایسے شاعر کا کلام اگر کوئی سنائے جس کا دیوان وہ دیکھ چکی ہوں تو فوراً بتا دیں گی کہ یہ فلاں شاعر کا کلام ہے۔

ایسی عالمہ و فاضلہ خاتون کی گود میں یہ بندۂ خداوند کریم پروان چڑھا۔ لعل و گہر دنیا میں ہمیشہ امتیازی شان کے مالک رہے ہیں لیکن انکا حقیقی شرف تو یہی ہے کہ ان کو وہاں رکھا جائے جہاں کے لیے وہ واقعی تخلیق ہوئے ہیں۔

اگر مرحومہ نے اپنا خونِ جگر پلا کر ننھے منّے "عاطف" کو ڈاکٹر خان محمد عاطف بنانے کا عظیم کام نہ کیا ہوتا تو "پٹھان شاعرات کا تذکرہ" منظرِ شہود پر نہ آتا۔

مرحومہ کی وفات کے بعد میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ اُن کے لیے کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے ان کی رُوح کو خوشی حاصل ہو سکے، اس لیے کہ وہ مجھے بہتر تعلیم دلانے کے حق میں تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آج وہ زندہ ہوتیں تو میرے اس اعلیٰ تحقیقی کام کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتیں۔

مجھ میں علم و تحقیق کا یہ "ملکہ" مرحومہ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ اس لیے اس کتاب کو انھیں کے نام نامی سے معنون کرتے ہوئے شرفِ قبولیت کے ساتھ ہی مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کا طالب ہوں۔

عاطف

۲۲/۳ اسٹیشن روڈ
حسین گنج، لکھنؤ۔

کچھ کتاب کے بارے میں

پٹھان شاعرات کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔ اس کے ساتھ طویل مقدمہ جو پٹھانوں کی مختصر تاریخ کے بارے میں ہے اسی تذکرہ کا جزو ہے۔ تاریخی مقدمہ سے پہلے دیباچہ ہے جس میں عورت اور پھر پٹھانوں اور پٹھان شاعری کا مزاج بیان کیا ہے۔ پٹھانوں کی اصل شاعری پشتو زبان میں ہے۔

مقدمہ میں پٹھانوں کی اجمالی تاریخ اور ان کی ہندوستان میں سیاسی، سماجی اور تاریخی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ پٹھانوں کی تاریخ سمجھے بغیر پٹھان شاعرات کے بارے میں کوئی بات سمجھی نہیں جا سکتی۔ پٹھان ماحول اور گھریلو زندگی اور ان کی افتادِ طبع کو سمجھے بغیر پٹھان شاعرات کی ادبی اہمیت پوری طرح واضح نہیں ہوسکتی۔!

اس مقدمہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک اولوالعزم قوم کتنی منزلوں سے گذر کر حکمرانی، شعر و ادب اور فنونِ لطیفہ میں اپنے جھنڈے گاڑے ہوئے شجاعت و غیرت کا پیکر بنی رہی —— اور اسی لیے دوسری قومیں جو اس جوہر کو کھو چکی تھیں پٹھانوں کو اجڈ اور عقل سے بیدل کہتی رہیں۔

مگر یہ قوم اپنے مزاج و فطرت پر قائم رہتے ہوئے دنیا سے یہی کہتی رہی ؎

صور بھی اپنے قدم کو ڈگمگا سکتا نہیں
ہم پٹھانوں کو کوئی نیچا دکھا سکتا نہیں

دیباچہ

جب سے تاریخ و تہذیب کا پتہ چلتا ہے اس وقت سے آج تک عورت سماج کے لیے ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اس کا مزاج اور جسمانی ساخت ہمیشہ مرد کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ظالم و جابر انسانوں پر حکمرانی کر کے ان کے غرور و تکبر کو خاک میں ملانے کا کام بھی انجام دیا ہے اور خود بھی ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتی رہی ہے۔ اس طرح کبھی تو عورت بامِ عروج پر پہنچی اور کبھی قعرِ مذلت میں جا گری۔ یہ سب اس لیے تھا کہ اس کے پیچھے کوئی سمجھ، شعور اور اصول نہ تھے، محض جذبات تھے۔ بس یہی جذبات، کبھی عورت کو گراتے رہے اور کبھی عروج عطا کرتے رہے۔ اگر رات کی تنہائیوں میں وہ راج رانی بنی، تو صبح کی تابناکی نے اسے کنجِ قفس میں پہونچا دیا۔ یہی چکر چلتا رہا اور عورت اس میں پستی رہی۔

دنیا کے مختلف گروہوں نے عورت کو ——— ذلیل و خوار بنا ڈالا اور اس کو گناہ و معصیت کا پُتلہ جانا اور یہی سمجھ لیا کہ عورت سے نیکی ممکن ہی نہیں لیکن پھر بھی دنیا، محض اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑتی رہی، وہی دنیا جس نے عورت کو گناہ و بدی سے معمور جانا۔ اس کے جسم کے ساتھ برائی میں برابر کی شریک رہی۔ اس لیے کہ عورت کی ذات اس وقت تک گناہ بن ہی نہیں سکتی جب تک مرد کی ذات اس میں شامل نہ ہو جائے۔ لیکن اپنے گناہوں کو چھپانے اور اپنی جسمانی برتری کے بل بوتے پر مرد نے عورت کو ذلیل ہی جانا۔

لیکن اسلام جو ایک مخصوص ذہن و مزاج بنانا چاہتا تھا اور جو ہر ہر قدم پہ عدل و مساوات کا پیامبر بن کر آیا تھا۔ اس نے عورت اور مرد کی مساویانہ حیثیت کو تسلیم کیا اور قرآن نے نہایت فصیح و بلیغ انداز میں کہا —— "عورتیں مردوں کا لباس ہیں، اور مرد عورتوں کا۔"

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا —— "دنیا تمام تر متاع ہے اور بہترین متاعِ دنیا صالح عورت ہے۔"

اس کے علاوہ عورتوں کے بارے میں متعدد احادیث ہمارے سامنے موجود ہیں

۱۔ استوصُوا بالنساءِ خیرًا —— عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

۲۔ رِفقًا بِالقواریر۔ شیشوں کو ٹھیس مت لگاؤ۔

۳۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو کہ تم نے انھیں خدا کی امان میں لے رکھا ہے۔

۴۔ وہی بہترین ہے جو عورتوں کے حق میں بہتر ہے۔

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو سماج میں پاک اور مساویانہ درجہ دینے کے لیے جملہ تدابیر اختیار کیں، حکم بھی لگایا اور متعدد مثالیں بھی دیں۔ نزاکت میں ظاہر ہے شیشہ سے زیادہ اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ جس طرح شیشہ معمولی سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ عورت کو شیشہ سے مثال دے کر یہ بتا دیا کہ عورت شیشہ کی طرح نازک شے ہے؛ اس کو اسی طرح برتنے کی کوشش کرو۔ میرؔ نے اس دنیا کے بارے میں شیشہ کا ذکر کرکے بتایا ہے کہ شیشہ سے کس طرح اپنے کو بچایا جائے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

جس طرح شیشہ کے کارخانہ میں ہوشیاری کی ضرورت ہے اسی طرح عورت سے بھی انسان کو احتیاط اور نرمی سے پیش آنا چاہیے۔

اسلام کے ان افکار و نظریات کا ایسا اثر پڑا کہ اگر دنیائے اسلام کے مفکرین و مصلحین کے نظریات کو عورت کے بارے میں یکجا کر لیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے گی۔ یہاں ہم چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں

ایمان کے بعد نیک بخت عورت سے زیادہ دنیا میں کوئی نعمت نہیں۔

(حضرت عمرؓ)

عورت ایک تازہ پھول کی مانند ہے۔

(حضرت علیؓ)

کسی مرد مومن کے ایمان میں اس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی جب تک اپنی بیوی کو حقیقی رفیقِ حیات نہ سمجھے۔

(امام جعفر صادقؒ)

نیک عورت دنیاوی امور سے نہیں بلکہ اسباب آخرت میں سے ہے۔

(جنید بغدادیؒ)

آنکھیں اور ہاتھ انسان کے لیے جس قدر ضروری ہیں۔ ایک نیک عورت کے فائدے اس سے زیادہ ہیں۔

(مسلم بن عبداللہ)

عورت قدرت کا بہترین عطیہ ہے۔

(ابن رشد)

عورت کے ساتھ نیک رہنا چاہیے۔ اس کو دکھ نہ دے، بلکہ اس کے نا
اٹھائے۔ (امام غزالیؒ)

اچھی اور نیک عادتوں والی پارسا عورت اگر فقیر کے گھر میں ہو تو اسے بھی بادشاہ بنا دیتی ہے۔

(سعدیؒ)

عورت کی حکمت گھر کو آباد رکھتی ہے۔

(حضرت سلیمانؑ)

خدا کی صنعت و کاریگری کے لیے عورت کی ظاہری زیبائی اور اندرونی پیچیدگی بہترین نمونہ ہے۔

(ابو عامر)

ساغر نظامی:

اس کی ہستی دل کی بستی   اس سے آباد گھر کی محفل
اس کی تسخیر بادشاہی
اس کی تفسیر سب سے مشکل

جمال صابری:

دل کے لیے قرار ہے   راحت روح زار ہے
باعث انقلاب ہے   عشق کی اک کتاب ہے

اختر شیرانی:

حیات و حرمت و مہر و وفا کی شان ہے عورت
شباب و حسن و انداز و ادا کی جان ہے عورت
حجاب و عصمت و شرم و حیا کی کان ہے عورت
جو دیکھو غور سے ہر مرد کا ایمان ہے عورت

اسلامی معاشرت نے عورت کو گناہ و معصیت کا پیکر نہ قرار دے کر اس کو شرم و حیا

عصمت و عفت کا ایک پیکر قرار دیا۔ لیکن شرم و حیا، عصمت و عفت کے یہ سارے جوہر گھر ہی کے اندر دکھائے جا سکتے ہیں۔ ان کی جگہ بازار ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جیسے ہی عورت گھر کو چھوڑ کر بازار میں پہونچتی ہے۔ وہ ماں بہن اور بیوی کے سے پاک رشتوں سے کٹ کر، بکری کا مال اور تفریح کا سامان بن جاتی ہے۔

اسلام کا اپنا ایک اصول رہا ہے اور وہ اصول یہ رہا ہے کہ کسی بھی بُرائی کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی چوٹی اور پالو کو چھوڑ کر اس کی جڑ اور علت پر وار کیا جائے۔ یہ چیز آپ تمام شعبہ ہائے اسلام میں مشترک پائیں گے ـــ چونکہ بُت تراشی وجہِ شرک و الحاد بنی تھی، لہٰذا اس نے بُت تراشی پر ہی روک لگا دی۔ عورت کے معاملہ میں پہلی چیز جو تباہی و بربادی کا سبب بن سکتی ہے وہ عورت و مرد کا اختلاط اور نگاہوں کا باہم متصادم ہونا تھا، چنانچہ اس نے ان دونوں پر شدید پابندی عاید کر دی اور کہہ دیا کہ پہلی نظر پڑنا تو عین فطرت ہے، لیکن خبردار دوسری بار نگاہ نہ اٹھے۔ اور جس نے نگاہ بد سے عورت کو دیکھ لیا وہ گناہ و بدکاری کا مرتکب ہو چکا۔ دوسری چیز آواز تھی، اس پر بھی پابندی عاید کرتی۔ پردہ کے پیچھے سے ٹھنڈی ٹھنڈی اور میٹھی میٹھی باتوں کے ذریعے تم دل لبھا سکتی ہو، لہٰذا اس دروازہ کو بھی بند کر دیا۔

اگر عورت بازار میں کسی ضرورت اور مجبوری سے نکلے تو اس کے آداب بھی مقرر کر دیے۔ پوشاک چست نہ ہو۔ زیورات کی کھنکار اور پازیب کی جھنکار اور کج ادائی مردوں کی توجہ اپنی طرف نہ موڑ لے اس لیے آہستہ رو اور نقاب پوش چلنے کی ہدایت فرما دی۔

مقصد یہ ہے کہ عورت جو ایک قابلِ احترام پیکر ہے وہ نفسانی نفسیات کا کھلونا نہ بن جائے۔ جو ماں اور بہن ہے وہ گرل فرنڈ اور بازاری لڑکی نہ بن

جائے تاکہ سماج کو جذباتی ہیجان اور بے راہ روی سے بچایا جا سکے ـــ جہاں عورت بازار میں ہے وہاں اس کی حیثیت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں۔ آپ کسی کلب میں جا کر دیکھ لیں، عورت کا کیا مقام ہے؟ اس کا پیکر کتنا ذلیل ہے۔ اس کا وجود کتنا شرمناک ہے! وہاں عورت آپ کو انسانیت کی درخشاں پیشانی پر کلنک اور ہمارے معاشرہ کا کوڑھ دکھائی دے گی۔

بڑے سے بڑے انسان کی حیثیت وہاں ایک بچّہ سے زیادہ نہ ہوگی، جو بتیوں بتیوں چلتا ہو اور بچّہ کی طرح کھلونے پر اوچھے ہاتھ مارتا ہو، گویا کلب میں عورت کی حیثیت کھلونے سے زیادہ نہیں رہتی اور سچ پوچھئے تو عورت وہاں اپنے لغوی معنوں میں "عورت" ہی نہیں رہتی، اس لئے کہ عورت کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس کو دیکھنے اور دکھانے سے شرم معلوم ہو۔

اسلام ایک سمندر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سمندر میں مختلف سمتوں سے بہت سی ندیاں اور نالے آ کر گرتے ہیں ـــــ پٹھان بھی ایک ندی ہے جو اسلامی سمندر میں آ گری۔ اسلام ایک ایسا سمندر ہے جو تمام ندیوں کو اپنے میں گم بھی کرتا ہے اور ان کے جوہر ذاتی کو ابھارتا بھی ہے۔ پٹھان چونکہ اسلام سے پہلے بھی عظیم الشان دینی روایات کے امین تھے اور جلیل القدر پیغمبروں کے رشتہ میں بندھے ہوئے تھے ـــــ اور وحیٔ الٰہی اور مزاج دین خداوندی سے ہم آہنگ تھے۔ اس لئے دین اسلام اور آواز الٰہی کو پہچاننے میں انھیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ یہاں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں اس بارے میں پٹھانوں سے متعلق دوسری کتاب میں بحث کی جائے گی۔

پٹھانوں کی عظمت اور بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آج بھی لوگ ان کو ایک جنگجو قوم مانتے ہیں۔ جس طرح اس ایٹمی دور میں اصطلاحاً شمشیر

ہی کا ذکر آتا ہے اور اس کی عظمت کا اقرار کیا جاتا ہے اسلئے کہ اس کی مدّت حکمرانی انتہائی طویل ہے، بالکل اسی طرح برصغیر کی اقوام میں پٹھانوں کی جنگ وپیکار کی بھی لمبی تاریخ ہے اور ان کی شمشیر کی اتنی تیز کاٹ رہی ہے کہ بّرصغیر کی تمام اقوام نے ان کا لوہا مانا ہے۔

یہ پٹھان ہی تو تھے جن کی شمشیر آبدار نے سو سال تک انگریز کی نیند حرام کردی۔ اور صوبۂ سرحد میں انگریز کو ایک رات بھی چین کی نصیب نہ ہوئی جبکہ انگریز کے خلاف جدّوجہد کا آغاز انھوں نے ۱۷۵۰ء سے ہی کر دیا تھا۔

تخت دہلی کی کمزوری کے بعد روہیل کھنڈ میں پٹھان ہی ایک بڑی طاقت رہ گئے تھے۔ اگر شجاع الدّولہ نے اپنی طبع کینہ پرور کا شکار ہو کر اور انگریز کی مدد لیکر روہیلوں یا پٹھانوں کی طاقت کو توڑ نہ دیا ہوتا تو ہمیں انگریزی غلامی کی لعنت سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ شجاع الدّولہ نے حافظ رحمت خاں اور پٹھانوں کی طاقت وقوت کو نہیں بلکہ اپنے باپ کی پے در پے شکستوں کا انتقام لیا تھا جو اسکے باپ کو ایک پٹھان خاتون بی بی صاحبہ بنگش کے ہاتھوں اٹھانا پڑی تھیں۔ یہ انتقام در پٹھانوں کے خلاف قتل وغارت گری ایسی تھی جس نے ہندوستان میں قائم ہزار سالہ سلطنت اسلامیہ کا سدّباب کر دیا۔ گویا شجاع الدّولہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستانیوں کو غیروں کی غلامی سے ہمکنار کر کے ہندوستان کی قومی غیرت کو انگریزی بوٹوں تلے پامال کر کے رکھ دیا۔

اس محبّ اہل بیت نے پٹھان بچّوں، عورتوں اور بیماروں کے ساتھ حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد وہ سب کچھ کیا جس کا عشر عشیر بھی نوجوں نے نہیں کیا تھا۔ حافظ رحمت خاں کا سر کاٹ کر دربار میں رکھا گیا۔

سودا نے کتّے اور کوّے کی آواز سے مشابہت پیدا کر کے "اف اور غاں" یعنی اے کتّوں اور کوّوں کی مرکب آواز سے بننے والے "افغان" نسل کے لوگو! کس بل پر ہمارے شاہ یعنی شجاع الدّولہ سے لڑنے چلے تھے کیا۔ پٹھانوں کی تباہی سے ہندوستان ایک جری، بہادر، حوصلہ مند، مہمان نواز، منتظم اور علماء و فضلاء کی قوم سے محروم ہو گیا۔

روہیل کھنڈ میں عام پٹھانوں اور حافظ رحمت خاں کا خون نہیں ہوا تھا بلکہ غوری، لودی، خلجی اور شیر شاہی عظمتوں کے خاتمہ کے ساتھ ہی ان بیشمار غازیانِ اسلام کا خون ہو گیا جنھوں نے اپنے خون سے اس ملک کی آبیاری کر کے یہاں کی مٹی کو لہو دے کر چمن بنانے کا کام انجام دیا تھا۔ اسی چمن بے نظیر کو شجاع الدولہ نے اپنی آتش انتقام سے خاکستر میں بدل کر رکھ دیا اور اس طرح تمام ہندوستانی انگریزی غلامی کے جوے میں جا دیے۔

مغلوں اور انگریزوں کے عہد میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی کہ پٹھانوں کو ان کے اصل مرتبہ سے گرا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے؛ مگر ان کی عظمت ہندوستان کے ذرّہ ذرّہ پر اس طرح ثبت ہو چکی تھی کہ یہ کام آسان نہ تھا۔ ہاں ان کو جاہل، اجڈ، اور درندوں کی شکل میں پیش کرنے میں انھیں کامیابی ضرور ہو گئی۔ خاص کر انگریز نے پٹھانوں کو خونخوار اور درندہ بنا کر پیش کرنے میں پوری کامیابی حاصل کر لی۔

آزادیِ وطن اور تقسیم ہند کے بعد بھی پٹھانوں کو ان کا اصل مرتبہ نہ مل سکا۔ ہندوستان میں بھی ان کی کوئی سیاسی حیثیت باقی نہیں رہی اور پاکستان میں بھی ان کی حیثیت اور جگہ کا تعیّن نہ ہو سکا۔ اگرچہ وہاں سڑک سے لیکر تخت حکومت تک وہ نمایاں ہیں۔

پٹھانوں کی جنگجویانہ حیثیت سے سبھی واقف ہیں۔ اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ ان کی علمی و ادبی حیثیت کو پیش کردوں! اور اسکے لیے میں نے پٹھانیوں یعنی پٹھان شاعرات کا انتخاب کیا ہے۔ اگرچہ ان کی تعداد کم ہے، مگر اس انتخاب یا تذکرہ سے اندازہ ہوسکے گا کہ جن گھرانوں میں خواتین تک کو شعر و شاعری کا ذوق ہو، ان کی گود سے نکلے ہوئے بچوں کا کیا رنگ ہوگا؟

ایسے معاشرہ میں جہاں معمولی سے معمولی ننگ پر قتل ہوجاتا ہو شعر کہنا آسان کام نہ تھا۔ پھر اس معاشرہ میں جہاں عورت کی آواز تک غیر مرد نہ سنے شعر کہنا بڑی مشکل بات تھی۔ انھیں مذہبی اور قبائلی پابندیوں کی وجہ سے نہ جانے کتنی (شرم و حیا کی پیکر) شاعرات اپنے خیالات کو اپنے سینوں میں ہی لیکر دفن ہوگئی ہوں گی۔ لیکن پھر بھی جو کچھ مل سکا ہے وہ پٹھانوں کی عالمانہ حیثیت کے تعین کے لیے کافی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پٹھان خواتین نے میدان کارزار میں قدم نہیں رکھا۔ وقت پڑنے پر انھوں نے میدانِ جنگ میں اپنے جوہر دکھائے جس طرح میدانِ جنگ میں پٹھانوں کے جھنڈے اڑتے رہے اور جس طرح ان کی شمشیر آبدار باطل کا سر قلم کرتی رہی اسی طرح ان کا قلم بھی حکمت و دانائی کے موتی لُنڈھاتا رہا۔

علم و فن کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملیگا جس میں پٹھان سرفہرست نہ ہوں۔ دین، حکمت، شعر و ادب اور صحافت ہر جگہ ان کی حیثیت مسلم اور منفرد ہے۔ جس قوم کے مرد جاہل، اُجڈ اور علم سے بے بہرہ ہوں، ان کی خواتین بھی نمونہ جہل ہوں گی لیکن جن گھرانوں اور خاندانوں میں علم و حکمت، شعر و ادب اور شجاعت و جرأت کا ماحول ہوگا وہاں کی خواتین کیونکر اس سے بچ سکیں گی اور جہاں کی خواتین شجاعت و جرأت اور شعر و حکمت کی حامل ہوں ان کے بچے کس درجہ

جری و باذوق ہوں گے ۔

پٹھانوں کی اصل زبان پشتو ہے ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن فارسی بھی انکی زبان رہی ہے اسلیے پٹھانوں کے شعر و ادب کو پشتو اور فارسی کے بغیر پرکھا نہیں جاسکتا یہاں ہم پٹھان شاعرات کے پشتو اور فارسی شاعری کے چند نمونوں کے بعد ان کے اردو اور فارسی اشعار کا ذکر کریں گے ۔ ان نمونوں سے آپ کو افغانستان اور سرحد کے آزاد قبائل کی خواتین کے مزاجِ شعری کو سمجھنے میں مدد ملے گی جو پٹھان شاعری کا اصل مزاج ہے ۔

ان پشتو اور فارسی نمونوں سے پتہ چلے گا کہ افغانستان میں بہت سی خواتین گذری ہیں جو شعر و سخن کا ملکہ رکھتی تھیں ۔ ان کا کلام بلندیٔ افکار، لذتِ تخئیل اور دقتِ نظر کا معیاری نمونہ ہے ۔

بی بی آمنہ فدوی محمدزئی قبیلہ کے سردار نور محمد خاں کی بیٹی تھیں وہ فارسی میں شعر کہتی تھیں ؎

تا نظر بر چمن وضع جہاں وا کردم
تہمتی بود کہ بر دیدۂ بینا کردم
نہ چمن رنگِ بقا داشت نہ گل بوی وفا
حیرت آلودہ بہر سو کہ تماشا کردم

ترجمہ :

"جب میں نے وضع جہاں کے چمن کو دیکھا، تو میرے دیدۂ بینا پر ایک حقیقت یا علامت ظاہر ہو گئی، یعنی میں نے حیرت کے عالم میں جدھر بھی دیکھا؛ یہی نظر آیا کہ نہ تو چمن میں پائیداری تھی نہ پھول میں بوئے وفا ۔"

آه ازان دامی کہ دارد رشتۂ جان تاب ازو
وای زان لعلی کہ ہردم میخورم خوناب ازو

ترجمہ:

" فریاد ہے اس دام (زلف محبوب) سے جس کی وجہ سے میری جان (زندگی) کو اضطراب ہے۔ فریاد ہے اس لعل (لب محبوب) سے جس کی بدولت میں ہردم خون (کے گھونٹ) پیا کرتا ہوں۔

بی بی آغازدہ ستہ سبزواری۔

ہر کجا آن مہ بہ آن زلف پریشان بگذرد
ہر کہ کفر زلف او بیند ز ایمان بگذرد

ترجمہ:

"۔ وہ چاند جدھر سے اپنی پریشان زلفوں یعنی بکھرے بالوں کے ساتھ گذرتا ہے۔ جو کوئی ایمان کو توڑنے والی اسکی زلفوں کو دیکھتا ہے ایمان کھو بیٹھتا ہے۔"

ای محبان بوالعجب دردیست درد عاشقی
ہر کہ دامن گیرد این دردش ز درمان بگذرد

ترجمہ:

" اے دوستوں عشق کا درد بھی عجیب درد ہے جو کوئی اس کا دامن پکڑ لیتا ہے اس کا درد، علاج کی حدوں سے باہر ہو جاتا ہے۔"

ھرات کے شیخ عبداللہ کی بیوی بیدآلہ کا شعر ملاخطہ ہو:-

روم بہ باغ و ز نرگس دو دیدہ وام کنم
کہ تا نظارۂ آن سرو خوش خرام کنم

ترجمہ :

"میں باغ میں جاتی ہوں اور نرگس سے دو آنکھیں ادھار لیتی ہوں تاکہ اس خوش دخرام یعنی مستانی چال چلنے والے کا نظارہ کرسکوں"۔

بلخ کے حاکم درویش علی کی بیوی بی بی بیگی کا شعر دیکھیں ؎

من اگر توبہ زمی کردہ ام ای سرو سہی
تو خود ایں توبہ نہ کردی کہ مرا می ندھی

ترجمہ :

"اے بلند و بالا سرو! میں نے اگر شراب سے توبہ کرلی ہے۔ لیکن تو نے مجھے شراب نہ دینے سے توبہ نہیں کی ہے یعنی کیا تو نے بھی مجھے شراب پلانے سے توبہ کرلی ہے؟"

بی بی تورہ بیکٹی قندھاری کہتی ہیں۔ ان کا شعر پشتو میں ہے ؎

پشتو شعر کا ترجمہ :

"میں کھلے میدان (جنگ) میں (جہاں حفاظت اور مدافعت کا کوئی سامان نہیں ہوگا"

تیرے ساتھ ہوں کیونکہ پشتون نژاد ہوں. تلوار سے ڈرتی نہیں ہوں

اور جب اس کا محبوب آیدی خان ایک قومی جنگ میں شہید ہوگیا تو اس نے شدت رنج والم سے تڑپ کر کہا ؎

پشتو شعر کا ترجمہ :

"میرے محبوب نے وطن کی خاطر سر دیا۔ اور اس کا کفن اپنی زلف کے تاروں سے سیوں گی۔"

افغانستان کے شمالی علاقہ کے مہتر[1] قرائی کی بیٹی آقا بیگم نے یوں کہا ؎

---

[1] مہتر یعنی سردار

زہشیارانِ عالم ہر کرا دیدم غمی دارد
دلا دیوانہ شو، دیوانگی ہم عالمی دارد

ترجمہ :

"دنیا کے عاقلوں میں جسکو بھی دیکھا وہ غم کا مالک تھا۔ اے میرے دل دیوانہ ہو جا! اسلئے کہ دیوانگی بھی ایک کیفیت کا نام ہے۔"

امیر علی بلخی کی بیٹی دل شاد خاتون نے مسئلۂ دردِ عشق و غم کو یوں بیان کیا ہے ؎

حل شد از غم ہمہ مشکل کہ مرا در دل بود
جز غم عشق کہ حل کردن آن مشکل بود

ترجمہ :

"غم سے ہر مشکل آسان ہو گئی، جو میرے دل ہی میں تھا سوائے عشق کے غم کے، جس کا حل کرنا بہت دشوار تھا۔"

رابعہ بلخی جس کے حسن و عشق کے قصے بہت مشہور ہیں جس کا تذکرہ پشتو ادب اور افغانستان کی کئی کتابوں میں ملتا ہے اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

مگر چشم مجنوں بہ ابر اندر است
کہ گل رنگ رخسارِ لیلیٰ گرفت

ترجمہ :

"شاید مجنوں کی آنکھ ابر کے اندر ہے کیونکہ پھول نے لیلیٰ کے گالوں کا روپ لے لیا۔"

بی بی رابعہ قندھاری ایک رباعی میں فلسفۂ غم و جدائی کو یوں بیان کرتی ہے ؎

پشتو رباعی کا ترجمہ :

> "آدم کو زمین پر اتار بھیجا، شعلۂ غم سے اس کا سینہ جلایا۔ پھر ایک دوزخ بنا دی، روئے زمین پر اور اس کا نام رکھ دیا جدائی۔"

اب احمد شاہ ابدالی بادشاہ افغانستان کی والدہ زرغونہ انا کا بھی ایک واقعہ سنتے چلیے:

سنہ ۱۱۶۲ھ میں جب احمد شاہ بادشاہ نے قندھار شہر کو از سر نو بنانا چاہا تو اس نے شہر کے بزرگوں اور بڑے بوڑھوں سے بھی مشورہ کیا کہ شہر کا نقشہ کیا ہو۔ بڑے غور و فکر کے بعد طے ہوا کہ شہر کے چاروں طرف خندقیں اور سات فصیلیں تیار کی جائیں تاکہ دشمن سے شہر کو بچایا جا سکے۔ جب احمد شاہ کی ماں کو پتہ چلا تو انھوں نے بیٹے کو بلوایا اور کہا:

> "بیٹا سن پٹھان کبھی مٹی کی دیواروں کی پناہ نہیں لیتے اور نہ ہی دشمن کے خوف سے چھپ کر خندقوں میں بیٹھتے ہیں۔ پشتون تو اللہ تعالیٰ کی مدد کے سہارے اپنے قوتِ بازو سے اپنی اور وطنِ عزیز کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔"

ایک دوسری زرغونہ ناریے قندھاری اپنے بیٹے کو جنگ میں یہ کہہ کر ہمت دلاتی ہے ؎

پشتو شعر کا ترجمہ

> "بہادری اور شجاعت نہیں تبلاؤ گے تو آخر اور کرو گے کیا۔ تم نے دودھ جو ایک پٹھان عورت کا پیا ہے۔"

ایک بی بی زرغونہ قبیلۂ کاکڑ میں بھی ہوئی ہیں۔ یہ بھی بڑی فاضلہ عورت تھی اس نے سعدی کی بوستان کا پشتو میں ترجمہ کیا ہے جو نہایت اعلیٰ منظوم ترجموں میں شمار ہوتا ہے۔

حاجی میرویس خان غلزئی کی بیٹی زینب عظیم ادیبہ اور شاعرہ تھی[1]۔ خود دیندار تھی، عالموں اور شاعروں کی قدردان تھی۔ یہ وہی میرویس خان غلزئی ہے۔ جس نے خراسان، اصفہان اور بغداد تک اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ اور شجاعت و سیاست کو اپنے قبیلہ کا فطری جوہر بنا دیا تھا۔

زینب نے اپنے بھائی شاہ محمود خاں کی موت پر مرثیہ کہا تھا جو پشتو میں ہے۔

بی بی سلیمہ بیرام خان خانِ خاناں کی بیوی جو پشتون تھی۔ کہتی ہے ؎

شفق را لالہ گون دیـ[illegible] شام در گردوں
مگر خورشید را کشتہ کہ دارد دامن پرخوں

ترجمہ:

"میں نے مغرب کی نماز کے وقت شفق کو مثل لالہ دیکھا۔ شاید اس نے سورج کو قتل کیا ہے، جس کی وجہ سے اس کا دامن خون سے بھرا ہوا ہے"

حاجی میرویس خان غلزئی کی والدہ بی بی نازو یا میرمن نازو بھی بلند پایہ شاعرہ تھیں۔ سلطان ملخی[2] توخی کی بیٹی تھیں۔ ان کا باپ سلطان ملخی غزنی سے جلدک تک کے علاقہ کا حاکم تھا۔ نازو نے پشتون عالمہ عورتوں اور کئی علماء و فضلاء سے علم حاصل کیا۔ وہ نہایت شجاع و سخی تھی۔ قافلوں کے قافلے اس کے مسافر خانہ میں ٹھہرتے تھے۔ جن کے لیے قیام و طعام و لباس کا بندوبست

---

[1] پٹہ خزانہ، پشتو۔

[2] ملخی توخی (توخی غلزئی کی شاخ ہے) اور یہ اورنگ زیب کے زمانہ کا اہم سردار تھا۔

(مولف)

ہوتا تھا، وہ تمام پختونخواہ میں مشہور تھی۔ یہ شجاع، عالمہ اور سخی عورت نہایت قابل ادیبہ اور شاعرہ تھی۔ اس نے دو ہزار اشعار کا نہایت جامع دیوان چھوڑا ہے۔ ایک رُباعی ملاحظہ کیجئے:

پشتو رباعی کا ترجمہ

> "اور ایک روز صبح کے وقت میں نے دیکھا تو نرگس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں اور آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ میں نے کہا کیا بات ہے پیارے پھول رُو کیوں رہا ہے۔ اس نے کہا کہ میری زندگی صرف ایک بار ہنس دینے کے سوا کچھ بھی نہیں!"

خوشحال خان خٹک کی بیٹی بی بی حلیمہ بھی بڑی عالمہ اور فاضلہ تھیں شاعرہ بھی تھیں۔ ساری عمر عبادت و ریاضت میں گزار دی۔ شادی نہیں کی تھی۔ لڑکیوں کو پڑھایا کرتی تھیں۔ "پٹہ خزانہ"[1] مطبوعہ کابل ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ عبدالقادر خاں کی سگی بہن تھیں۔ حفظ قرآن کے علاوہ اپنے والد کی زندگی ہی میں مروّجہ علوم سے فارغ ہو چکی تھیں اور شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی مُرید ہو چکی تھیں۔ مثنوی مولانا روم اور مکتوبات امام ربّانی کی مشکلات کو آسانی سے حل کر سکتی تھیں، پشتو میں شعر بھی کہتی تھیں۔ ایک پشتو شعر کا ترجمہ پڑھئے۔

> "جسے بھی دیکھتی ہوں بس وہ ہی نظر آتا ہے۔ اس کے حسن و جمال کے تقاضوں سے شاداں ہوں۔"

خوشحال خاں کے پائنتی ان کی قبر ہے

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ پٹھان خواتین نے پردہ کے پیچھے رہتے ہوئے کس طرح علم و ادب کی خدمت کی ہے۔ ان کے اشعار میں

---

[1] پٹہ خزانہ (تذکرۃ الشعراء) پشتو،

مجموعی طور پر پٹھان کردار کی جھلک دکھائی دے گی۔ ان کی شاعری میں جذبہ کی شدت، سادگیٔ بیان اور برمحل تشبیہات کا استعمال ملے گا۔ اور یہی سادگی جو ان کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کی روزمرہ کی سیاسی و سماجی زندگی میں بھی ملے گی۔

اسی لئے مجھے یہ کہنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ تمام برائیوں اور اخلاقی پستیوں کے باوجود پٹھانوں میں سادگیٔ طبع اور مساویانہ برتاؤ کا جذبہ آج بھی پایا جاتا ہے۔ دوسروں پر اعتماد کرنا پٹھان کردار کا بنیادی ستون ہے۔ اس لیے آج بھی ہندوستان اور پاکستان کے الجھے ہوئے مسائل اور شک و بداعتمادی کے ماحول میں پٹھان ایک مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں اور شک کو یقین اور بداعتمادی کو اعتماد میں بدل سکتے ہیں۔ مگر اس کے لیے فضا بنانے کی ضرورت ہے۔ اس میدان میں پٹھان خواتین بھی کسی سے پیچھے نہیں رہیں گی اسلیے کہ سـ ۱۹۴۲ء میں خان عبدالغفار خاں نے صوبہ سرحد میں سرخ پوشوں کا جلوس نکالنے کا اعلان کیا تو انگریز نے صوبہ سرحد میں سرخ رنگ کے داخلہ پر پابندی لگادی۔ یہ مصنوعی پابندی پٹھان خواتین نے اپنے شوہروں کی قمیضیں اپنے خون سے رنگ کر دور کردی یہی حوصلہ مندی اور شدید جذباتی رنگارنگی آپ کو ان کے کلام میں ملے گی۔

حسن و عشق کے جذبات کو مسلم معاشرہ میں شعر کے روپ میں ادا کر دینا قیامت سے کم نہیں پھر پٹھانوں کے گھرانوں میں آج سے سو پچاس برس پہلے پٹھان خواتین کا شعر کہنا اس بات کی کھلی اور واضح علامت ہے، کہ پٹھانوں کو جس طرح ہر شعبۂ حیات میں بدنام کیا گیا اسی طرح اقلیم علم و ادب میں بھی ان کی رسوائی کے سامان پیدا کر دیے گئے، ورنہ جس طرح پٹھان میدان کارزار کے مجاہد رہے ہیں اسی طرح دنیائے علم و ادب کے

تاجدار بھی!

شعر کی زبان میں حسن و عشق کو بیان کرنا ایک ادبی ذوق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، لیکن دریچوں سے جھانکنا اور دعوتِ نظارہ دینا موت کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیائے شعر و ادب میں پٹھان خواتین کو بھی سربلند پاتے ہیں۔ جاگیردارانہ سماج میں کچھ برائیاں آئیں اور علم و ادب کو بھی ہم نے دعوتِ نظارۂ حسن و جمال سمجھ کر خواتین پر بے شمار پابندیاں لاد دیں۔

اپنے اصل مرکز سے جدائی کے بعد اردو اور فارسی میں اگرچہ گرمئ جذبات اور فطری افکار و خیالات میں کمی واقع ہو گئی لیکن پھر بھی بیشتر اشعار میں حقیقت پسندی، واقعہ نگاری، سادگئ بیان اور سادگئ واقعات کا پرتو ضرور دکھائی دے گا جو ایک مخصوص ذہن و مزاج کی نمائندگی کا حامل ہے اور اگر محنت کی جائے تو اردو شاعری میں آپکو لکھنؤ اور دہلی اسکول کے مقابلہ میں "پٹھان اسکول" کے زیادہ نمائندہ اور واضح اشعار ملیں گے۔ جس کا اثر غالب پر بھی ہے اور اگر ان کے رام پور کے قیام کے دوران کے اشعار کو چھانٹ لیا جائے تو غالبیات کے سلسلہ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔ اقبال کے یہاں اس اسکول کے نمایاں اثرات ملتے ہیں۔

ان الفاظ کے ساتھ "نگارستانِ افغان" یا پٹھان شاعرات کا تذکرہ حاضرِ خدمت ہے اور جو کچھ میں نے کہا آپ خود اس کتاب کے مطالعہ کے بعد فیصلہ کریں گے۔

پٹھان شاعری کا مزاج

افغانستان اور پٹھانوں کا علاقہ لوگ گیت لکھنے والے شاعروں کے لیے مشہور ہے۔ ان کا علاقہ آزادیٔ فکر، آزادیٔ ذہن اور آزادیٔ افکار کا علاقہ رہا ہے۔ جہاں انھوں نے آزادانہ پہاڑوں کی سر فلک چوٹیوں کو اپنے عزم و حوصلہ کے آگے ہمیشہ سرنگوں پایا ہے وہ جس طرح آزادانہ پہاڑوں کو روندتے رہے ہیں، اسی طرح انھوں نے اپنے سینہ میں ہمیشہ معصوم و آزاد جذبات کو ہی پروان چڑھایا ہے اور جو خیال بھی ان کے ذہن میں پیدا ہوا ہمیشہ انھوں نے اس کا برملا اظہار کر دیا۔ اس اظہار خیال میں بھونڈا پن نہیں ہے۔ بلکہ نہایت پیارا، شیریں اور لطیف انداز ہے ہر بات کو بیان کرنے کا۔ تمام تر افکار و خیالات کو وہ جذباتی ہوں یا تاریخی، اخلاقی ہوں یا خطابی ———— شروع سے آج تک جسے لوگ ایک اجڈ، جنگلی اور خونخوار قوم سمجھتے رہے ہیں، اس نے ہمیشہ شاعرانہ جذبات و اقدار کو انتہائی دلچسپی اور سخن فہمانہ انداز سے دیکھا اور برتا ہے۔ "یہ غیر مہذب اور خونخوار قوم" شاعری سے فطری لگاؤ رکھتی ہے۔ اس کا مذاق سخن عشقیہ اور قومی و فطری ہر قسم کی شاعری میں بلند پایہ معیار کا حامل ہے۔

پٹھان قوم جسے انگریز نے خونخوار، غیر مہذب اور لٹیرا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا بھرپور انداز میں اپنے سینہ میں اٹھنے والے شاعرانہ جذبات کو پیش کرتی رہی

ہے جس کا اعتراف خود انگریز مصنفین نے کیا ہے۔

ان کی نظموں میں مناظرِ فطرت، خوشی و مسرت کے جذبات، شاندار ماضی کا ذکر شجاعت و جرأت کے قصے، اور پیار و محبت کے جذبات کے دوش بدوش جنگ و جدال کے پر ہول رجز بھی ملیں گے۔

ان کی شاعری کی اجمالی خصوصیات جو ہمیشہ سننے والوں کے دلوں کو چھو لیتی ہیں ان کا صاف اور سادہ اندازِ بیان ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سارے جذبات اس آزاد اور روہیلہ قوم کے مزاج کے عین مطابق ہیں۔

اس قسم کے منظوم ترانے جب وہاں کے بہادروں کے کانوں میں پڑتے ہیں تو جوش و ولولہ کے تحت ان کے نتھنے پھڑکنے لگتے ہیں اور شدید اضطرابی و جذباتی کیفیت ان پر طاری ہو کر انھیں سرگرم عمل کر دیتی ہے ——— یہ عمل کسی فوری جذبہ کے تحت نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کے پیچھے ایک بیدار ذہن، عقل و شعور کی پختگی شجاعت و بہادری کا چولا اوڑھے کھڑی ہوتی ہے۔ چونکہ وہ اپنی خودی آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ وطن کی خاطر ہمیشہ بے دھڑک آتشِ نمرود میں کود پڑتے ہیں ——— لہٰذا بزدل، کم بین و سگِ دنیا نما انسان اور شکست خوردہ اقوام ان کو کم عقل، جاہل، گنوار اور لٹیرے کے معزز ترین لقب سے یاد کرنے لگیں۔

لیکن یہی کھرّے اور میدانِ جنگ کے سپاہی جب رخشِ قلم کو مہر الفت، حسن و عشق اور وصل و جدائی کی وادیوں کی طرف موڑتے تو ان کے جذبات میں نرمی اور گفتار میں گرمیٔ محبت کی وہ آنچ ہوتی ہے کہ سننے والوں کے سینے دھک دھک کرنے لگتے ہیں اور منہ سے آہیں نکل نکل جاتی ہیں۔ اس لیے کہ سننے والے ان خونخوار اور کھرے انسانوں کی چال ڈھال اور انداز گفتار میں رحمدلی اور بہادری کا ایک پوشیدہ خزانہ پاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہی وہ اخلاقی ضابطوں اور پند و نصائح کا ذکر

بھی کرتے ہیں ——— ایک پٹھان تنہا اپنے ان جذبات سے لطف اندوز ہو سکتا ہے جن کا کہ وہ مالک ہے۔ لیکن وہ اپنے خیالات میں تنہا ہوتے ہوئے بھی اپنے کو عام انسانوں سے الگ یا برتر نہیں جانتا۔

ان کے گیت پوری طرح انسانی جذبات سے پُر اور ان کی اندرونی کیفیت کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان میں محبت کا رس شدید جذباتی انداز میں پایا جاتا ہے، جن میں انسانی محبت کو خاص دخل ہے۔ یعنی یہ محبت ہوس پرستی کا مظہر نہیں ہے بلکہ انسانیت اور انسان کے لیے پیار و محبت کا ایک لازوال پیغام ہے۔ انسان سے پیار اور عشقِ حقیقی کا گہرا ادراک یہ ایسے جذبات ہیں جن کو پٹھان شاعری سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ پٹھان شاعروں نے عام طور پر اپنی خواہشات کو انسان دوستی اور خدا کی پرستش میں اس طرح ڈبو دیا ہے کہ وہاں سے نکلنا ایک مشکل امر ہے۔

مشرقی شاعری میں پٹھان شاعری کو ان معنوں میں ممتاز خصوصیت حاصل ہے کہ عشق و محبت کے جذبات کے ساتھ ہی ساتھ محبوب کا ایک مقدس کردار سامنے آتا ہے جو قاری کو ایک مخصوص تاثر عطا کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشرقی شاعری کا خالص مادی عنصر ان کی شاعری میں نہیں پایا جاتا ہے۔

ان کے نغمات میں سادگی کے ساتھ، حسن و عشق کے جذبات، مناظرِ فطرت کا بیان، محبوب یا محبوبہ کے لیے مقدس و محترم جذبات و خیالات کا اظہار اور اپنے پہاڑوں کے ساتھ بے پناہ جذباتی لگاؤ اور عزتِ نفس کا خیال۔ اس جذبۂ خودی مناظرِ فطرت، جذبۂ عشق اور اپنے پہاڑوں سے جذباتی لگاؤ کو انھوں نے جس طرح تشبیہات و استعارات اور کنایات شعری میں بیان کیا ہے۔ اس سے پڑھنے والے کا دل و دماغ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض اوقات یہ مناظر

اپنے اصل وحشیانہ حسن و سادگی کے ساتھ اس طرح پیش کیے گئے ہیں کہ مخصوص شاعرانہ ماحول نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

پٹھان شاعری میں محبوبہ کا تصوّر یہ ہے کہ اس کا چھونا گناہ ہے اس لیے کہ ان کی محبوبہ مثل ہوا اِدھر اُدھر بکھری ہوئی ہے جو نہایت مقدّس و بلند ہے اور جس کو گلاب کی خوشبو کی طرح صرف ذہن و دماغ محسوس کر سکتے ہیں چھو نہیں سکتے۔ عاشق اپنی محبوبہ کے پاس اس طرح پہنچ جاتا ہے جس طرح دوپہر کے تابناک سورج کی کرن شبنم کو اپنی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

جس طرح سورج مافوق الفطرت طریقہ سے اپنی روشنی دوسروں تک لے جاتا ہے، بالکل اسی طرح اس کی محبوبہ کی روشن و تابناک کرنیں اس کے چہرہ کو منوّر رکھتی ہیں۔ اور اپنا عکس اس پر ڈالتی رہتی ہیں ——— لیکن محبوبہ کی جدائی ان کے پہاڑوں جیسے حوصلہ مند سینوں کو برف آلود بنا دیتی ہے اور یہی برفِ بہار یعنی محبوبہ کی تلاش و جستجو میں محبت کرنے والے کو اشک ریز بنا کر ایک سیلاب برپا کر دیتی ہے۔ پہاڑوں کی ڈھلوان سے اٹھتا ہوا کہرا ان کی آہوں کا دھواں معلوم ہوتا ہے۔ محبوبہ کی جدائی میں وہ سارس کی طرح ماتم کرتے ہیں۔ جو چیخ چیخ کر اپنی مادہ کی تلاش میں جان دے دیتا ہے۔ مگر کہیں اور نگاہ نہیں ڈالتا۔ اس کے اشعار میں اس کی محبوبہ ایک ایسی نرم و نازک بیل سے مشابہت رکھتی ہے جو ایک بلند و بالا اور شاندار درخت پر لپٹی ہو، اور اس کا چہرہ ایسے سرخ پھول سے مناسبت رکھتا ہے جس میں انتہائی ہوشیاری، دانشمندی اور فنکارانہ ڈھنگ سے صباحت کو شامل کر دیا گیا ہو۔ جس سے اس کا چہرہ جلال و جمال کا نمونہ بنکر رہ گیا ہے۔

غرض یہ کہ پٹھانوں کی شاعری جس کا اصل سرچشمہ پشتو زبان ہے،

الفاظ کی چستی و بندش، تشبیہات کی تابناکی اور بلندیٔ افکار و خیالات کی پاکیزگی مشرقی شاعری میں پائی جانے والی خصوصیات شعری کا بلند تر و حقیقت پسندانہ تمثیلات کے اعلیٰ و ارفع پیکر میں ڈھل کر یہاں کی شاعری کا مزاج خاص بن چکی ہے۔

افغان پختون (پشتون)

پٹھان

یہ قوم افغان، پختون یا پٹھان کے ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ اور ان ناموں کو مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ کچھ بھی کیوں نہ رہی ہو لیکن اس وقت ملت افاغنہ کے فرزند اس میں کسی قسم کا فرق نہیں کرتے اور پوری قوم کے لیے چاہے وہ ہندوستان میں ہو یا پاکستان یا افغانستان میں افغان پٹھان یا پختون وہ ہم معنی خیال کرتے ہیں۔

انگریز نے اپنے عہد حکومت میں ان کو الگ الگ معنی دینے کی کوشش کی تھی اور اپنے سیاسی مفادات کی خاطر جو لوگ ڈیورنڈ لائن کی مشرق کی طرف حکومت انگلشیہ کے زیر اثر آگئے تھے انھیں پٹھان پکارا تو اس لائن کے مغرب کی طرف حکومت افغانستان کے زیر اثر قبیلوں کو افغان کا نام دیا۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور پوری قوم جغرافیائی حدود سے الگ ہو کر افغان یا پٹھان دونوں ناموں سے پکاری جاتی ہے۔

ابتدا[1] میں لفظ افغان اور پختون دو جدا جدا آبادیوں کے لئے استعمال ہوتے تھے، ایک ان قدیم ترین سامی قبائل کے لیے جو وادئ پشاور اور وادئ کابل

---

[1] ضمیمہ یوسف زئی افغان مولفہ الہ بخش یوسفی ص ۸۶۸

میں آباد تھے اور دوسرا ان بنی اسرائیل کے لیے جنھوں نے فلسطین سے چل کر کوہ سلیمان کے دامن میں پناہ لی تھی۔ یہ دونوں آبادیاں گو نسلاً سامی الاصل تھیں جو شروع میں ایک دوسرے سے الگ دکھائی دیتی ہیں لیکن پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں جب بیرونی حملہ آوروں کے دباؤ نے مجبور کیا تو یہ دونوں اس طرح گھل مل گئے کہ ایک ہوگئے اور قدیم باشندوں کی زبان پشتو کو پوری قوم کی زبان بنا دیا۔

پختون (پشتون) ایک گروہ کے خیال میں پٹھانوں کو یونانی مورخین کے بیان کردہ علاقہ "پختیز" (POKTIES) کی مناسبت سے پکارا جاتا ہے جو بعد میں بگڑ کر پختون (پشتون)[1] یا پٹھان بن گیا۔

۱۔ پختون پشتو زبان کی املا کے مطابق ایک ہی شکل "پښتون" میں لکھے جاتے ہیں۔ مگر کچھ قبائل پختون اور پشتون تلفظ کرتے ہیں[2]۔

دور جدید کے مورخین نے بھی یونانیوں کے استعمال کردہ لفظ پکٹیان پر بحث کرتے ہوئے پختون کو اس لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل لفظ پختون جمع پختان ہی ہو جسکو یونانیوں نے اپنے تلفظ یا آسانی کے لیے "پکٹیان" کہنا شروع کر دیا ہو۔ اسلئے کہ زمانہ قدیم سے پٹھانوں کیلئے لفظ پختون ہی استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس کیلئے یہ کہنا کہ پکٹیان سے بگڑ کر پختون بن گیا ہے بے معنی سی بات ہے جبکہ ذرا غور کرنے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یونانیوں نے اپنے لہجہ کے تحت پختان کو پکٹیان بنا دیا۔

ان لوگوں سے وہ افغان جو غور کی پہاڑیوں میں تھے کب آکر ملے اس کے بارہ میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ آیا پہلے سے ان دونوں کے درمیان کوئی رابطہ تھا یا نہیں۔ یا پہلی صدی ہجری میں مسلم فاتحین کے ساتھ یہ لوگ بھی آئے اور اپنے گم شدہ قبائل سے مل گئے اور رفتہ رفتہ پوری

---

[1] ضمیمہ یوسف زئی افغان مولفہ اللہ بخش یوسفی ص ۸۶۸

[2] " " " " ص ۸۶۹

آبادی افغان و پختون ناموں سے پکاری جانے لگی۔

یہ قبائل۔ جو پٹھان پکارے جانے لگے دسویں صدی عیسوی میں جوق در جوق افغانستان سے نکلنا شروع ہوئے۔ یعنی محمود غزنوی کے حملوں کے ساتھ اور پندرھویں صدی عیسوی تک درۂ خیبر سے لیکر دریائے اٹک تک کا علاقہ پٹھان اکثریت کا علاقہ بنگیا۔ جس میں بڑی تعداد یوسف زئی اور مہمند قبیلوں کی تھی صوبۂ سرحد کی سیاست پر یہی پوری طرح اثر انداز ہوتے رہے۔ یوسف زئی قبیلے کی آمد پندرھویں صدی عیسوی میں اجتماعی انداز میں ہوئی۔

جو قبائل افغانستان میں رہ گئے انھوں نے وہاں حکمرانی شروع کی اور غلزئی[1] قبائل نے خراسان اور ایران سے بعض مقامات پر باقاعدہ حکومت کی۔ ساتھ ہی بغداد تک ان کی یلغار بھی ہوتی رہی ـــــ بعض مورخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ "بخت نصر" کے ہاتھوں اس گروہ کو فلسطین سے نکالے جانے کی وجہ سے "افغس" "بختو" کہکر پکارا گیا ہوگا اور اس لفظ نے بعد میں "پختو" کی آواز اختیار کرلی ہو[2]۔

مورخین کی دوسری جماعت جس میں مسٹر گریرسن[3] ماہر لسانیات کہتے ہیں کہ یونانی مورخ ہرڈوٹس نے جس قوم (PAKTIES) کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی پٹھان یا یوں کہا جائے کہ اسی پکٹیز کی بگڑی ہوئی شکل پختون کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

ایک اور مصنف سر ڈی ایبٹ کا کہنا ہے کہ جس قندھاری آبادی کا ذکر تاریخ میں پکٹیان (POKTYAN) کے نام سے ملتا ہے اس سے مراد پختون ہیں یا یہی لفظ بدل کر پختون بن چکا ہے بالکل ایسے ہی جیسے ایک قبیلہ کا نام (AFRYTAE) آفریدے (اپریتے) کے مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی رائے میں یہی پکٹیان پٹھانوں کے مورث اعلیٰ تھے جو پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں بیرونی حملہ آوروں کی یلغار سے تنگ آکر وادی کابل اور پشاور سے نکل کر دریائے ہلمنڈ کے کنارے

---

[1] افغان اور پٹھان۔ از نواب محمد اکبر خان ہوتی (کرنل) [3] لنگوسٹک سروے آف انڈیا۔

جاکر آباد ہو گئے تھے اور بحیرۂ فلسطین کی طرف سے آنے والے افغان قبائل سے مل جل کر ایسے شیر و شکر ہوئے کہ دونوں کی جداگانہ حیثیت نہ رہ سکی اور یہ دونوں پٹھان یا افغان ناموں سے پکارے جانے لگے۔

قدیم یونانی مورخین نے اس علاقہ میں جن قوموں کا ذکر کیا ہے دورِ حاضر کے محققین بھی ان سے یہی پٹھان قبائل مراد لیتے ہیں۔ ایک یونانی مورخ "میگا ستھنز" نے اپنی کتاب انڈیکا میں استکانی (ASTACANI) اور کچھ دوسرے قبائل کا ذکر کیا ہے۔ انڈیکا کے مترجم "جے۔ ڈبلیو۔ کرنڈل" اس سے مراد آفریدی لیتے ہیں اور یونانیوں کے پختیکا (PAKTYKA) اور گندھارا کو ایک ہی جگہ کے دو مختلف نام بتائے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یونانی مورخ "ہیروڈوٹس" نے لفظ پختہ (PAKHTA) انہیں پٹھانوں کیلئے استعمال کیا تھا۔[1]

سر ڈی۔ ایبٹسن (SIR. D. EBBATSON) کے خیال میں پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں جب سیتھک (SYTHIC) قبائل نے ہندوکش پار کر کے حملے شروع کیے اور وادی سندھ کا رخ کیا تو گندھاریوں کی پوری آبادی کو جو مشہور قوم پکٹیائی (PAKTIYAN) کے چار مشہور قبائل میں ایک تھی اور جن کی اولاد پٹھان کہلاتی ہے۔ دریائے کابل کے شمال کی طرف وادیٔ پشاور اور شمالی پہاڑیوں سے اس نو وارد قوم کی یلغار کی وجہ سے شدید جنگ و جدل کے بعد ہٹنا پڑا۔ تو وہ بحیثیت جماعت دریائے ہلمند کے کنارے اپنے ہی ایک دوسرے قبیلہ کے پاس جاکر آباد ہو گئے۔ اور وہیں انھوں نے اپنی قدیم آبادی کی مناسبت سے گندھارا نامی شہر آباد کیا اور یہی پکتیاں بعد میں پختون پٹھان پکارے جانے لگے۔

یہ دلیل اس لیے غلط ہے کہ کوئی قوم کسی شخص کے ہاتھوں شکست کھانے

---

[1] پختیکا اور پختہ، پختون کی جمع معلوم ہوتے ہیں۔ (ضمیمہ یوسف زئی ص ۸۰۔

یا اسکے ظلم وستم کا نشانہ بن کر بے وطن ہونے کے بعد اس کے نام سے اپنے کو پکارا جانا پسند نہ کریگی بلکہ اس کیلئے اس کے سینہ میں شدید نفرت وغصہ ہوگا۔

" بختو کے لفظی معنی ہیں " استقلال، مستقل مزاجی، تحفظ، وقار، ضد "

اگر ملت افاغنہ کی پوری تاریخ پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ابتدا سے لے کر آج تک یہ قوم اپنے ارادہ، عزم یا ضد پر ہمیشہ قائم رہی ہے۔ اور یہی ارادہ، عزم و ضد "بخت نصر" کے آگے جھکنے اور اس کی اطاعت قبول کرنے میں مانع رہا ——— اور اپنی آن بان و آزادی کو قائم رکھنے کے لیے ۵۰۰ قبل مسیح میں اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر ارمیا اور برخیا کی قیادت میں ہرات وکوہ فیروزہ میں جا آباد ہوئے یہ قوم لفظ بختو کو انھیں معنوں میں استعمال کرتی ہے اور آج بھی پٹھان لفظ بختو کو انھیں معنوں میں استعمال کرتے ہیں یعنی اس معاملہ میں ہم بختو چھوڑ نہیں سکتے یعنی ہم اپنے عزم کو بدل نہیں سکتے یا یہ کام ہماری بختو کے خلاف ہے، یعنی ہمارے فیصلہ اور ارادہ کے خلاف ہے۔ یہاں تک کہ جب بحالت مجبوری وہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جائیں تو کہتے ہیں " کیا کیا جائے بختو کو نبھانا ہے اور اس کی مجھ سے کیا بختو ہے یعنی اس کی مجھ سے کون سی ضد ہے[1]۔

اسی لیے یہ قوم اپنے کو بختو کہہ کر مسرت وشادمانی کی لذت سے ہمکنار ہوتی اور اپنے اس عزم وارادہ اور ضد کے ہاتھوں تباہی وبربادی پر غرور وتکبر سے جھوم جھوم اٹھتی لیکن ذلت ورسوائی کے ساتھ ترقی کی راہوں پر دوڑنا اور آباد ہونا اس کی فطرت ثانیہ کے خلاف رہا ہے اسی لیے تاریخ کے ہر دور میں اس قوم کو مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

---

[1] یوسف زئی افغان ضمیمہ ۹ ص ۸۷۴

افغانؔ

افغانؔ مورخین کا خیال ہے کہ اس گروہ یا قوم نے افغان بن ارمیا بن طالوت علیہ السلام کی نسبت سے اپنا نام افغان اختیار کیا۔ بخت نصر کے عہد میں وہ ہرات میں افغانستان کے شمال مشرق کی طرف غور و فیروزہ کی پہاڑیوں میں آباد ہو گئے۔ اور بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے انھیں کوہ سلیمان میں آباد کیا۔ اور اسی لیے وہ سلیمانی کے نام سے پکارے بھی جاتے ہیں۔

جدید تحقیقات کی رو سے لفظ افغانؔ بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ یا اس بنجامین گروہ کے لیے استعمال ہوتا تھا جس کے مورثِ اعلیٰ کا نام افودہ یا افغاناؔ تھا۔ جس سے لفظ افغانؔ مشتق ہے[1]۔

مسٹر کنڈل مترجم انڈیکا نے خیال ظاہر کیا ہے کہ افغان سنسکرت کے کسی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور ہو سکتا ہے کہ گندھارا کو سنسکرت میں "اسواکا" (ASWAKA) کہا جاتا ہو۔ یہ لفظ آسوا سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں شاہسوار‘ جو کابل کے باشندوں کے لیے بہترین قسم کے گھوڑوں کے لیے بولا گیا ہے جو آگے چل کر سنسکرت میں اساوٗکا یا اسواکا بولا جانے لگا

---

[1] یوسف زئی افغان ضمیمہ ۹ ص ۲۸۲.

جسے یونانیوں نے آسانیسی بنا دیا جو مورخ مذکور کے خیال میں آگے چل کر آسان سے ادغان اور پھر افغان بن گیا۔

افغانا کو اپنی طاقت اور قد و قامت کی مناسبت سے شاہ فریدوں کے پہلوان ادغان سے نسبت دی جاتی تھی۔ یہی ادغان بعد کو افغان بن گیا۔

بنجامین قبائل چونکہ پہاڑوں میں رہنے کے عادی تھے اس وجہ سے خود انھوں نے بخت نصر کے عہد میں پہاڑی علاقوں میں آباد ہو جانا پسند کیا۔ چنانچہ کچھ قبائل عرب میں مدینہ شریف کے نزدیک خیبر طائف، ہیج اور عدن میں جا بسے تو اکثریت نے ارمیا اور برخیا کی قیادت میں ہرات اور غور کی طرف کوچ کیا۔

خیبر میں بسنے والوں کو عرب افراد ہیج اور عدن میں بسنے والوں کو ابدالی اور افغانوں کو سلیمانی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور عربوں کی رائے میں بھی افغان بنی اسرائیل کے بنجامین قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت سلیمانؑ کے قرابت دار بتائے جاتے ہیں۔ اور وہ افراد سے آفریدی بھی مراد لیتے ہیں۔[1]

ایک انگریز جو ۱۸۵۷ء میں ایک برطانوی وفد کے ساتھ افغانستان گیا تھا۔ لکھتا ہے کہ اسے افغانستان کے شاہی کتب خانہ میں افغانوں کی تاریخ پر لکھی ہوئی سات کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔[2]

ان میں پانچ کی زبان فارسی اور دو کی پشتو تھی۔ اس نے انکے مصنفین کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ان تمام مورخین نے اپنے آپ کو حضرت طالوت کی اولاد بتایا ہے۔ ان کی بیان کردہ تاریخ اور انجیل مقدس میں درج شدہ تفصیلات میں بڑی حد تک مطابقت پائی جاتی ہے۔ حضرت طالوت کے دو

---

[1] یوسف زئی افغان ضمیمہ ۹ ۱۸۵۷ ص ۸۷۹

[2] جرنل آف دی پولیٹیکل مشن ٹو افغانستان ان ۱۸۵۷ء بحوالہ یوسف زئی افغان / ص ۸۷۹

بیٹے تھے برخیاؔ اور ارمیاؔ۔ دونوں ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے اگرچہ ان کی مائیں الگ الگ تھیں لیکن ایک ہی قبیلہ لوی سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی پیدائش سے قبل ان کے باپ اپنے دس بیٹوں کے ساتھ جنگ فلسطین میں کام آ چکے تھے۔ یہ بچے حضرت داؤد علیہ السلام کی نگرانی میں رہے جو حضرت طالوت کے بعد تخت پر بیٹھے تھے۔ برخیاؔ کو آگے چل کر وزیر اعظم بنایا گیا اور ارمیا سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے۔ برخیا کے بیٹے کا نام آصف اور ارمیاؔ کے بیٹے کا نام افغانا تھا۔ یہ دونوں بچے اپنے والدین کی وفات کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ان ہی عہدوں پر مقرر کیے گئے آصف کے اٹھارہ اور افغاناؔ کے چالیس بیٹے بتائے جاتے ہیں۔

مسجد بیت المقدس جس کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی اسی افغانا کی زیر نگرانی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں مکمل ہوئی۔

بخت نصر کے عہد میں جب انھیں فلسطین چھوڑنا پڑا تو وہ غور و فیروزہ کی پہاڑیوں کے ارد گرد آباد ہوئے۔ اس علاقہ کے لوگ انھیں افغان اوغان اور بنی اسرائیل کے نام سے پکارتے تھے۔

تاریخ ایران میں افغانوں کا ذکر عہد ساسانیان میں ملتا ہے جبکہ شاہ پور اول نے اپنے کتبہ میں "اب غان" کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے۔ پھر شاہ پور سوئم کے عہد میں اس قبیلہ کو اپاگان کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے یہی دونوں لفظ مورخین کے خیال میں افغان کی ایرانی شکل ہیں۔ ایرانی زبان میں "ف" کی جگہ "ب" کا استعمال ہوتا ہے۔

ہندوستان کے مشہور جوتشی وردھا میہرہ نے اپنی کتاب بھرت سمہتیا میں جو چھٹی صدی عیسوی کی تصنیف ہے افغانوں کا ذکر کیا ہے۔

مشہور چینی سیاح ہیونگ سانگ نے اپنے سفر نامہ سنہ ۶۲۹ء سے سنہ ۶۴۵ء تک کے زمانہ میں کوہ سلیمانی کی پہاڑوں میں اے۔ پو رکین (A-PO-KIEN) نام کی جس قوم کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یقیناً یہی افغان ہیں۔

مسلم مورخین نے "حدود عالم" سنہ ۹۲۸ء (۲۷۲ھ) میں اس قوم کو علاقہ گردیز میں ساکن دکھایا ہے۔ خاندان غزنویہ کے مورخ عطبی نے گیارھویں صدی میں افغانوں کو سلطان محمود غزنوی کے لشکر میں شامل دکھایا ہے اور سلطان مسعود کے زمانہ میں غزنوی لشکر کے ان افغانوں کو مطیع کرنے کے لیے فوج کشی کا بھی ذکر کیا ہے۔

آریں یا بنی اسرائیل

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے، اسرائیل (یعنی مرد خدا) کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے۔ چوتھے بیٹے کا نام یہوده (JUDA) تھا۔ یہوده اور بن یامین کی نسل کا قبیلہ فلسطین کے علاوه (JUDA) میں بھی حکمراں تھا۔ اس قبیلہ کو اسی مناسبت سے یہودی کہتے تھے اور دیگر قبائل کو بنی اسرائیل کہا جاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد بنی اسرائیل اور یہودی سے ایک ہی مفہوم لیا جانے لگا۔

اسرائیلی قبائل انتہائی پریشانیوں اور تباہی و بربادی کے بعد افغانستان کی زمین پر دکھائی دینے لگے[2]

پروفیسر میکس میولر کے نزدیک آریا جنھیں اس وقت ہم آرین کہتے ہیں ایک کلچرل گروپ[3] تھا جن مورخین نے افغانوں کو آرین ظاہر کیا ہے ان کے پاس کوئی قطعی، ٹھوس، اور مضبوط دلیل اس کی ہے نہیں۔ بس اس کے لیے یہی کہا جاتا ہے کہ

(ا) آرین قدیم عہد سے ایران، افغانستان اور ہندوستان میں آباد

---

[1] لغات القرآن ج اول۔ از غلام احمد پرویز

[2] لیجنڈ آف فادر ریورز از ٹریویکن

[3] پاک سلینی مقالہ احمد چھاگلا ۱۹۵۲ء

تھے۔ اس وجہ سے پٹھانوں کو بھی اسی نسل سے ہونا چاہیئے۔

(ب) پشتو زبان ماہرِ لسانیات کے نظریہ کے مطابق چونکہ انڈو آرین یا ایرانی برادری میں شامل کی جا چکی ہے اور پٹھان یہی زبان بولتے ہیں اس وجہ سے وہ آرین ہیں۔

پہلا دعویٰ بھی اس بات کا ثبوت چاہتا ہے اگر یہ آرین ہیں تو اس جگہ کا نام افغانستان کیوں پڑا۔ اگر ایران یا آریا ورت آریوں کی مناسبت سے ہے تو ان دونوں کے بیچ میں "افغانستان" نام کا ایک ملک کیوں موجود ہے۔ یعنی وہ جگہ جہاں "افغان" رہتے ہوں۔

دوسرا دعویٰ بھی اس لیے دلائل پر پورا نہیں اترتا کہ کسی قوم کے حسب نسب کے لیے زبان کو بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ دنیا میں بے شمار ایسی اقوام ہیں جن کے حسب نسب طے شدہ امر ہیں لیکن وہ اپنی اپنی قومی زبانوں سے ناواقف ہیں۔ مثلاً ہندوستان و پاکستان میں ایرانی، پٹھان، عرب اور ترک نسلیں موجود ہیں لیکن آج صدیوں کے بعد وہ اپنی اصل قومی زبانوں کو بھول چکے ہیں تو کیا اس بنیاد پر ان کو ان کے حسب نسب سے خارج کر دیا جائیگا۔

آرین اور سامی النسل اقوام کی آمد

"ایران، ہندوستان اور افغانستان کے علاقوں میں آرین اقوام کی خدمت سے کون انکار کرے گا لیکن جدید تحقیقات کی روشنی میں آرین اقوام کو ان علاقوں میں سکونت اولین کا فخر حاصل نہیں رہا ہے۔ آرین اقوام سے صدیوں پہلے سامی النسل قبائل افغانستان سے گزر کر ہندوستان کے علاقہ میں داخل ہو چکے تھے ـــــ"

"عربستان[1] کا علاقہ ابتدائی تہذیب انسانی کا گہوارہ تھا۔ ریگستان عرب سے ہجرت کی مختلف لہریں اٹھیں اور مختلف اطراف میں پھیل گئیں یہ عرب سامی الاصل کہلاتے تھے۔ یہ قبائل کوئی تین ہزار سال قبل مسیح سرحد تک پہونچ چکے تھے۔"

لیکن آرین اقوام کے متعلق تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس طرف ان کی آمد کا زمانہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔ اور آرین سے صدیوں قبل غیر آرین اقوام افغانستان ہند و پاکستان کی زمین پر آباد دکھائی دیتی ہیں۔

---

[1] وادیٔ سندھ کی تہذیب از غلام مصطفیٰ ڈان کراچی ۱۰ اپریل ۱۹۵۹ء

آرین[1] اقوام کی ابتدائی آبادیاں

آرین قدرتی آفات یا سماجی کشمکش اور مذہبی تبدیلیوں کی وجہ سے جب اپنے وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو دوسرے راستوں کے علاوہ انھوں نے ایران کی راہ لی۔ اور اپنی طاقت و قوت کے بل پر اس علاقہ پر غالب آگئے۔ ان کا پورا زور سرزمین ایران پر پڑا۔ اسکے بعد انھوں نے مشرق کی طرف بھی پیش قدمی کی۔ اور ان آبادیوں کو تاراج کر دیا جو صدیوں سے آباد تھیں۔ اور اپنے لیے جگہ پیدا کی۔ پروفیسر میکس میولر آرین آبادیوں کی مندرجہ ذیل فہرست بتاتا ہے۔

۱۔[1] سوگدیانا	(سمرقند)
۲۔ مورو	(مرو)
۳۔ بوخدی	(بلخ کا علاقہ)
۴۔ ہارویو	(ہرات)
۵) اروا	(کابل)
۶۔ اراکوشیا	(غزنی)
۷۔ راگھا	شمالی میڈیا)
۸۔ ورینا	(گیلان)

---

[1] انسائیکلو پیڈیا انڈیا بلفورڈ

۹۔ نسایا (نسیا نزد مرو)
۱۰۔ وکریتا (سجستان)
۱۱۔ خننتا (قندھار)
۱۲۔ ہیوٹمت (علاقہ ہلمنڈ)
۱۳۔ کخرا (خراسان)
۱۴ ہپتوہندد (پنجاب)

آرین اقوام نے یہ آبادیاں قدیم باشندوں کو ہٹا کر ہی بنائی ہوں گی اور قدیم آبادیوں کے بارے میں بتایا جاچکا ہے کہ وہ سامی النسل تھیں۔[1] ۱۲۲۰ قبل مسیح میں آشوریوں کی ملکہ سمیرامنیر نے جو بلخ تک حکمران تھی۔ ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ اور وہ خود سامی الاصل تھی۔ اسلئے آرین کے ساتھ دوسرے قبائل کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ساتھ پارسیوں کی کتاب مقدس ژند میں بھی آرین کے ساتھ غیر آرین اقوام کا ذکر ہے۔

ان تاریخی شہادتوں کی روشنی میں اگر افغان اپنے کو بنی اسرائیل پکارے جانے پر فخر کریں۔ یا اپنے کو غیر آرین بتائیں تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔

آرین اور سامی زندگی کا فرق

قدیم آرین لوگوں کے حلیہ کو جس کا ذکر مختلف تحریروں میں کیا جاتا رہا ہے اگر دیکھا جائے تو وہ دراز قد، سڈول جسم، متناسب اعضا، بیضوی چہرے اونچی ناک رکھتے تھے۔ اہل ایران بھی آریا ہیں۔ ان کے جسم و چہرے اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ بھی ناک، نقشے کے اعتبار سے سڈول اور حسین ہیں۔ لیکن

---

[1] ضمیمہ ۱۰ یوسف زئی افغان ص ۸۹۸

افغانی، خاص طور سے قبائل کے لوگوں کو اگر آپ دیکھیں تو وہ لمبے ترنگے، بڑی بڑی آنکھیں، چوڑے سینے لانبے ہاتھ اور چوڑی ہڈی غرض یہ کہ اگر آرین جمال کے مالک ہیں تو وہ پیکر جلال و جمال ہیں۔ آرین حسن پھیکا پھیکا ہے تو افغانی حسن نکی سے کوسوں دور ہے۔ اگر وسط ایشیا اور ایران کے کسی آرین کو فلسطین یا افغانستان کے کسی سامی النسل شخص کے مقابل کھڑا کر دیا جائے تو ظاہر ہو جائیگا کہ دونوں ایک ہی نسل کے اشخاص نہیں ہیں۔ جدید سائنس نے خون کی جانچ کر کے بھی نسل کا پتہ چلانے کے طریقے ایجاد کر لیے ہیں۔

اس کے علاوہ افغانوں یا پشتونوں کی معاشرت اور رسم و رواج اور زندگی کے دوسرے شعبوں پر غور کرنے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے یہاں آرین قوم کی چھاپ نہیں ہے۔ قدیم افغانوں کا لباس بنی اسرائیل کے لباس سے ملتا جلتا تھا نا کہ آرین سے ان کے برتن، ان کے قربانی کے طریقے، اور بنی اسرائیل کی طرح دروازوں پر خون کے چھینٹے دینا۔ لباس کو زرنگار بنانا اور بناؤ سنگھار کرنا۔ ان کے یہاں کسی آرین معبود کی نشاندہی نہیں ہوئی۔

افغان، پٹھان، یا پشتون اپنی شکل و صورت، طرز معاشرت، خوراک، رسم و رواج اور عبادات غرض کسی بھی اعتبار سے آرین اقوام کے قریب دکھائی نہیں دیتے۔ اسلئے ان کو آرین کہنا حقائق و درایت کے خلاف ہوگا جبکہ ایران کی زندگی پر آج بھی آرین رسم و رواج کے شدید اثرات پائے جاتے عید نوروز کو منانا، سڑکوں پر آگ کو روشن کرنا اور برکت و صحت حاصل کرنے کے لیے اس پر سے چھلانگ لگانا وغیرہ لیکن افغانستان میں اس طرح کی کوئی چیز پائی نہیں جاتی۔

آرین نسل ہے یا عقیدہ۔

اوپر آرین کا ذکر ایک قوم اور نسل کے زمرے میں کیا گیا ہے! لیکن کیا حقیقتاً

آرین کسی قوم کا نام ہے۔ یا کسی خاص عقیدہ کی وجہ سے وہ آرین کہلائے!

وسط ایشیا کے مختلف قبائل کو وہاں کے سیاسی اور سماجی حالات سے مجبور ہو کر وطن چھوڑنا پڑا۔ ان میں وہ قبائل بھی تھے جنھیں بعد میں آرین کہا گیا مورخین کا خیال ہے کہ یہ قبائل زراعت پیشہ تھے۔ زراعت سے محبت کی وجہ سے انھوں نے اپنے نام کے ساتھ آر کا استعمال کیا۔ جو ہل یا زراعت کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اور یہ لفظ مختلف آرین بولی جانے والی زبانوں میں موجود تھا زند میں ایریا کے معنی باعزت کے بھی ہیں اور ایک قوم کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے، سنسکرت اور ویدوں میں قوم کے لیے بھی یہ لفظ آیا ہے اور برہما کے پجاریوں کی عزت افزائی کے لیے بھی۔ اور اسی آر کی نسبت سے یہ قوم آریا کہلائی۔ اور اُر وہ مشہور ترین معبود ہے جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آگ کا معبود تھا۔ جس کے نام پر ۲۲۸۶ قبل مسیح میں "اُر" نامی شہر آباد ہوا۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش بیان کی جاتی ہے۔ اور جنھیں اسی اُر میں جھونک دیا گیا تھا۔

اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ گروہ "آریا اُر" کی مناسبت ہی سے آریا کہلائے ہوں گے۔ جس کا تعلق پیشہ اور عقیدہ سے ہی ہے۔ اور اس طرح اسکا تعلق کسی نسل سے باقی نہیں رہتا بلکہ یہ لفظ پیشہ اور عقیدہ پر ہی دلالت کرتا ہے۔

"آریا وہ ہیں جو بلا لحاظ رنگ و نسل آریائی زبانیں بولتے ہیں[1]"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ آریا کا تعلق کسی نسل سے نہیں ہے۔ دوسرے مصنف کے الفاظ میں اس کی تصدیق اسطرح ہو جاتی ہے۔

---

[1] پاک مسلینی مقالہ احمد چاگلا سنہ ۱۹۵۲ء

پروفیسر میکس میولر کی نگاہ میں یہ یعنی آرین ایک کلچرل گروپ تھا۔[1]

اس طرح وہ تمام علاقے جہاں اس عقیدے کو ماننے والے پھیل گئے تھے ان کو آریانا پکارا جانے لگا۔ یونانی مورخین نے آریانا کا ذکر اسطرح کیا ہے۔

جنوب میں بحر ہند، مشرق میں دریائے سندھ، شمال ہندوکش، اور مغرب میں کسپین سے خلیج فارس۔

ان علاقوں میں آباد غیر آرین کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ جب ایران کو حملہ آوروں کے خطروں سے نجات ملی اور ساسانی برسراقتدار آئے اور انھوں نے اپنے کتبے لگوائے تو ان پر صرف آرین کے بادشاہ کی حیثیت اپنے نام نہیں لکھوائے بلکہ غیر آرین عوام کے بادشاہ کی حیثیت سے بھی اپنا ذکر کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس لفظ کے معنوں میں وقتاً فوقتاً ردّ و بدل ہوتا رہا ہے۔ یہی آرین جب ہندوستان پہونچتے ہیں تو اس لفظ کے معنی بدل دیئے گئے۔ ہندوؤں کے مشہور قانون دان "منو" جن کی منوسمرتی ہندو قانون کی ناقابل تنسیخ کتاب ہے منو نے کھتریوں کے قبیلہ "بلاوا" کو صرف اس لیے داسا کا نام دے دیا کہ انھوں نے برہمنوں کی عزت کرنا چھوڑ دیا ہے۔

پروفیسر میکس میولر کے بیان کے مطابق زمانہ ویدک تحریروں کے بعد آریا کا لفظ صرف اونچی ذات کے ہندوؤں کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اور شودر کو اس سے محروم کر دیا گیا۔

جن مورخین نے اُر کی نسبت سے اس قوم کا آرین ہونا ثابت کیا ہے ان

---

[1] پاک مسلینی مقالہ احمد حمید اگست ۱۹۵۲ء

میں قاضی عبدالحلیم اثر افغانی لائق ذکر ہیں۔ اس مسئلہ پر ان کے تحقیقی اقتباسات دیے جا رہے ہیں۔

اُر[1]، آریہ، آریا، ایرین

لفظ آریہ کے دو جز ہیں ایک "آر" اور دوسرا "ی" اس "ی" پر کھڑی زبر لکھی جاتی ہے۔ "یٰ" اور بعض لوگ اس زبر کے ظاہر کرنے کو اس لفظ کے آخر میں "ہ" کا اضافہ کرتے ہیں۔ جیسے سنسکرت کے تلفظ میں "آریہ" اور بعض اس کے آخر میں الف مقصورہ بڑھاتے ہیں جیسے "آریا" اور جب اس کے آخر میں نسبتی "نا" بڑھا دی جائے تو اسے "آریانا" یا "اریانا" پڑھا جاتا ہے۔ اس لفظ کے اول جز "اُر" کا تلفظ توریت شریف کے مطابق "اُر" ہے۔ یعنی الف پر پیش ہے۔ چنانچہ توریت کی ایک آیت میں مرقوم ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کلدانیوں کے اُر سے نکال دیا۔"

یہ اُر کلدانیوں کے ایک شہر کا نام ہے جو کہ عراق میں مقیر کے نام سے مشہور تھا۔ پہلی دفعہ سنہ ۱۸۵۹ء میں اس کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔ بعد میں "برطانوی عجائب گھر" کی ہمت سے سنہ ۱۹۲۲ء میں پنسلوانیا یونیورسٹی کے عجائب گھر کے پروفیسر ڈاکٹر جی۔ بی۔ گورڈن نے یہ آثار قدیمہ تلاش کر لیے تو سر لیونارڈ وولی

---

[1] مجلہ پشتو (پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی) جلد ۱، نمبر ۲-۳ (سنہ ۱۹۵۸ء) بحوالہ تاریخ آزاد پٹھان حصہ دوم ص ۲۷

نے جو اس مہم میں ان کے شریک کار تھے" کلدانیوں کے اُر" کے نام سے ایک کتاب لکھی تو اس میں آثار قدیمہ سے دریافت شدہ معلومات کی بنا پر لفظ اُر کے الف پر پیش لکھی اور دائرۃ المعارف کابل کی کتاب اریانا جلد دوم صفحہ ۲۸۲ پر بھی لفظ اُر ہی درج ہے۔ اسی مصنّف نے آگے چل کر لکھا ہے کہ "ی۔ م۔ رین" یعنی اُر کے بادشاہوں کی نسل و تہذیب مصر، بابلی، عبرانی اور متقدمینوں سے بھی قدیم ہیں اور آج سے پانچ ہزار سال پرانی ہیں۔

کلدانیوں نے جو اپنے شہر نام اُر رکھا تو ظاہر ہے کہ یہ ایک نحوی لفظ ہے جو اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ کلدانیوں کی اجتماعی زندگی میں لفظ "اُر" کو ایسی خاص اہمیت حاصل تھی جو انھوں نے اسے اپنے ایک شہر کے نام کے لیے استعمال کیا، اس وقت اس لفظ کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔

اس وقت تک تمام برآمد شدہ آثار قدیمہ آسمانی کتابوں اور تاریخی معلومات میں اس حقیقت کو تسلیم کیا جا چکا ہے کہ اس سرزمین پر مختلف اشیا یا معبودوں کی عبادت کی جاتی رہی ہے جن میں نور اور (آگ) کی پرستش خاص اہمیت رکھتی ہے۔

قرآن شریف میں بھی مختلف اقوام کے "نور" اور "ادر" (آگ) کی عبادت کا ذکر دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جب رشد و ہدایت ملی اور اسکی ابتدا میں جب وہ کائنات پر غور و فکر کرنے لگے تو قرآن شریف کی اس آیت سے فَلَمَّا رَاٰ ى الشَّمْسَ بَازِغَتہ قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ، فَلَمَّآ اَفَلَ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ۝

بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں نور (چاند) اور قدرت کے دوسرے مناظر کی عبادت کرنے کا تصور موجود تھا اور اس پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام

تنقید کرتے رہے اور بعد میں اس قوم نے جب انھیں "اُر" (آگ) میں جھونکا تو اس میں بھی وہی ذہنیت کارفرما تھی اور اس زمانہ میں "اُر" (آگ) کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے تو انھوں نے اس نیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "اُر" (آگ) کی نذر کیا کہ ان کے عقیدہ کے مطابق خود "اس" (آگ) انھیں سزا دے۔

اس کے بعد اثر صاحب نے اُر کے مقابل دوسرے ایسے معبودوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق نور یا روشنی سے تھا اور مثالیں دے کر بتایا ہے کہ ان معبودوں کی پرستش کرنے والے بھی "اُر" کی طرح اپنے معبودوں کے نام مقامات اور خود اپنے لیے استعمال کرتے رہے ہیں اور پھر پشتو لفظ "اُر" اور آگ کی وضاحت میں لکھتے ہیں۔

پشتو زبان کی مروجہ تلفظ اَوَر ہے۔ مگر بعض لوگ الف پر ضمہ اشباعی لکھ کر "اوُ" بولتے ہیں جیسا کہ تورات میں درج ہے اگرچہ عام طور پر الف کے بعد و لکھ کر الف پر پیش ڈال دی جاتی ہے لیکن صحیح تلفظ وہی ضمہ اشباعی بغیر واو کے ہے کیونکہ جہاں کہیں بھی یہ دوسرے کلموں میں استعمال ہوا ہے مثلاً اُرمڑ، ارگون، اُریازی وغیرہ بغیر واو کے ہی لکھا جاتا ہے۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ:

> دنیا کے بڑے بڑے علما، (اور) ادبا نے لفظ اُر کی حقیقت و اصلیت پر غور و فکر نہیں کی اور جہاں کہیں انھیں اُر کے ساتھ یائے نسبتی نظر آئی وہاں اُریا نام مراد لے لی، اور اسے ایک ملک کا نام قرار دیدیا حالانکہ یہ لفظ پشتو زبان کا ہے اور جہاں کہیں یہ مرکب شکل میں دکھائی دیتا ہے مثلاً "ایرین" تو یہ کسی قوم کا نام نہیں بلکہ پشتو زبان کے عام قاعدہ کے مطابق پشتو کے نسبتی "ین" کے اضافہ سے "ارین"

پکارا جاتا ہے اور اس سے وہ لوگ مراد لیے جاتے ہیں جو اُس کی عبادت کرتے تھے۔ پشتو زبان میں اس کی مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً خورین، رشیمین، پشیمین وغیرہ

پھر وہ ظاہر کرتے ہیں کہ بلاشبہ ایرین کسی زمانہ میں ایک قوم کا نام تھا۔ لیکن یہ نام مذہب کی نسبت سے تھا، اس طرح کہ جس طرح دوسری اقوام اپنے مذہب یا عقائد کی نسبت سے محمدی، عیسائی ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ اور سوال کرتے ہیں کہ:

"اگر کوئی مسلمان اسلام کو چھوڑ دے تو اسے پھر مسلمان (محمدی) نہیں کہا جا سکتا کوئی عیسائی مسلمان ہو جائے تو پھر اسے عیسائی نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح اس علاقہ میں کہ جہاں ان دنوں اُس کی عبادت نہیں کی جاتی کسی شخص کو کس طرح ایرینے یا آریا کہا جا سکتا ہے؟

پھر خود ہی اپنے سوال کی اس طرز وضاحت کرتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ ایک دوسرے اہم مسئلہ پر غور و فکر نہیں ہوئی۔ ہماری زندگی میں چار امور ایسے ہیں کہ ان کی نوعیت ایک دوسرے سے جدا بھی ہے اور ایک دوسرے سے متعلق بھی۔ عربی زبان اور عالموں کی اصلاح میں اسے "عموم خصوص من وجہ" کہتے ہیں اور اگر "عموم خصوص من وجہ" پر غور و فکر کی جائے تو بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں وہ چار امور ہیں۔

۱۔ ایک ملک کا اپنا مخصوص نام ہو لیکن اس ملک کے رہنے والے اس کے اصلی باشندے نہ ہوں۔

۲۔ ایک ملک میں کوئی مخصوص مذہب رائج ہو لیکن اس ملک کے عام باشندے

اس مذہب کے پیروکار نہ ہوں۔

۳- ایک ملک کی کوئی مخصوص زبان ہو، لیکن اس میں رہنے والے دوسری زبان بولتے ہوں۔

۴- ایک ملک میں ایسے باشندے ہوں جو زبان تو اس ملک کی بولتے ہوں لیکن نسلاً جدا ہوں۔

ان چاروں امور کی مثال پیش کرنے کے لیے ہم عرب ممالک کو لیتے ہیں:

۱- جزیرۃ العرب میں مقیم وہ لوگ جو نسلاً عرب نہیں ہیں۔

۲- حجاز میں امریکن تیل کمپنیوں سے تعلق رکھنے والے امریکن آباد ہیں لیکن وہ مذہباً عیسائی ہیں۔

۳- حجاز میں ترک، ازبک، قازق، اپنی زبان بولتے ہیں۔

۴- شام[1] کے علاقہ میں کرد عربی زبان بولتے ہیں، لیکن وہ عرب نہیں ہیں۔

مندرجہ بالا تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایرین ایک دیرینہ قومیت تھی، جس کی بنیاد مذہب آتش پرستی پر تھی اور یہ اس وقت ایرین یا آریا تھی جس وقت تک اُر کی عبادت کرتی رہی اور اس کا ان کے کلدانی، آثوری، تنقیانی یا بنی اسرائیل، بنی حطے یا کسی دوسری قوم یا نسل پر اثر نہ پڑ سکتا تھا[2]۔

لیکن اس کے بعد جب یہ لوگ ایمان لے آئے تو انھیں ایرین یا آریہ پکارنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مسلمان کو کوئی ہندو، یہودی یا عیسائی کہہ دے۔

بلاشبہ اس سرزمین پر ایسے علاقے بھی موجود ہیں کہ جن کے ناموں میں لفظ

---

[1] کردوں کا علاقہ عراق میں ہے نا کہ شام میں۔ [2] وہ جو مذہباً ایرینیا کہلاتی تھی لیکن لفظ آریہ کا ان کی نسل سے کوئی تعلق نہ تھا۔

اُسما موجود ہے اور جہاں اُر کی عبادت بھی کی جاتی ہے اور پھر بعد میں لفظی ترکیب سے قوم اس نام سے موسوم ہوئی۔ مثلاً ارمنی، ارمی، لیکن الفاظ کی ترکیب کچھ ایسی ہے کہ جس سے یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ ارمنی یا ارمی سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کی عبادت کرتے ہوں۔ اس کی مزید وضاحت ہندی اور ہندو کی مثالوں سے ہو سکتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ہندی پکارے تو اس سے ہمیشہ ہند میں رہنے والے مراد لیے جائیں گے لیکن ہندو کہا جائے تو اس سے یہی شبہ ہوتا ہے کہ وہ بت پرست یا مشرک ہے حالانکہ ہندو کی و اور ہندی کی (ی) دونوں نسبت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض حروف نسبت سے حالت وصفی مراد لی جاتی ہے اور بعض سے حالت نوعی ہی مراد لی جاتی ہے مثلاً خورین اس مٹی کے برتن کو کہتے ہیں کہ جس کی نوع مٹی ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نسبتی اسما میں یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ منسوب الیہ ہے کیا، اگر کسی شخص کو جرمنی پکارا جاتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس سے جرمن نسل مراد لی گئی ہو حالانکہ مذہباً وہ شخص عیسائی، یہودی یا محمدی ہو، لیکن اگر یورپ کے کسی شخص کو عیسائی کہہ دیا جائے تو یہ پکار مذہبی نسبت سے ہوگی۔ لفظ اریانی، آرامی اور آریائی میں یہی فرق ہے۔ اریانی اور آرامی سے ارشاد اور آرام کے باشندے مراد لیے جائیں گے۔ جبکہ آریائی سے وہی شخص مراد ہوگا جو مذہباً آریہ ہو۔ محمدی وہی شخص ہے جو حضرت محمدؐ کے دین کا پیروکار ہوگا۔ اور اگر لفظ محمد کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ موجود ہو مثلاً محمد آباد تو وہاں کے رہنے والے کو محمد آبادی پکارا جائے گا۔ تو پھر یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ اس جگہ کا باشندہ ہی خیال کیا جا سکتا ہے ...... ان وجوہات سے میرا نظریہ یہ ہے کہ:-

ایرین یا آریا نسل کا نام نہیں۔ کل ایرین یا آریہ کے نام سے ایک ملت موجود تھی۔

لیکن وہ اُر کی پرستار تھی۔ آج قرآن پاک کی مبارک الفاظ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ کی روشنی میں وہ دین اور آئین ہماری اس سرزمین پر باقی نہیں رہا۔ تو اس علاقہ کو ایرین، آریہ، اریانا، پکارنا ایک اہم علمی و تاریخی غلطی ہے۔

قاضی عبدالحلیم اثر صاحب[1] نے اپنے مدلل مقالہ جس میں اُر کا حوالہ دیا ہے وہ ایک معبود کا نام ہے۔ جو قدیم اقوام کی روایات سے ثابت ہے۔ جس کی منڈن، سُمیرین اور کلدانیوں کے زمانہ میں نہایت اہمیت کے ساتھ پرستش کی جاتی تھی اور اسی نسبت سے تاریخ کا مشہور شہر اُر آباد ہوا تھا۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت بتائی جاتی ہے۔ ایک قدیم ترین کتاب گنزا (GANZA) کے مطابق موجودہ دنیا کی پیدائش سے قبل ایک روشن عالم تھا اور دوسرا تاریک یا سیاہ جس میں ایک منحوس ڈائن رہتی تھی۔ جسے منڈن قوم رُوحا کے نام سے پکارتی تھی اور اسی رُوحا کا بیٹا بتایا جاتا ہے۔ جو بدکرداری اور نحوست میں اپنی ماں ہی کا نمونہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ دنیائے آفرینش سے قبل اسے قابو میں کر لینا ضروری تھا۔ ورنہ یہ دنیا پیدا کرنا ہی مشکل ہو جاتی چنانچہ مذکورہ گنزا کے قول کے مطابق مندایا کے بیٹے ہابیل نے اُر کو زمین ڈالکر بھاری زنجیروں سے جکڑ دیا۔ اس پر پہرے بٹھا دیے گئے، یا ایک دوسری رائے کے مطابق اُر کو اس کی تاریک دنیا میں ہی بند کر دیا گیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ روشن عالم سے "اے بجور" نامی کسی چیز نے تاریک عالم پر نظر ڈالی تو اس میں سے اپنی شکل دکھائی دی جس پر اس نے ایک مستقل شکل اختیار کی

---

[1] تاریخ آزاد پٹھان حصہ دوم (تعارف ص ۴۵، ۴۶ حاشیہ) مولفہ الٰہ بخش یوسفی (پاکستانی)

اور یہ شکل ہابیل کہلائی۔ اس طرح ہابیل میں تاریک عالم کا اثر پیدا ہو گیا۔ اس سے کہا گیا کہ وہ ایک ٹھوس عالم پیدا کرے لیکن وہ اسے اس وقت تک بنانے میں کامیاب نہ ہو سکی جب تک کہ ہابیل نے اپنی کچھ روشنی اس میں داخل نہ کر دی۔ اس سے کچھ کچھ حصہ روحانی بھی پایا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس تعمیر میں کچھ حصہ اس کے پانی سے بنا تھا۔ ان وجوہات سے ہماری دنیا تاریک مواد سے تیار ہوئی۔ جس میں معمولی سی روشنی بھی شامل ہے۔

ہابیل نے روحا کے بیٹوں کو جنہیں اُر خاص اہمیت رکھتا ہے چاند اور نظام شمسی کی دوسری اشکال میں تبدیل کر دیا تو انھوں نے ہی آدم کا جسم بنایا اور ہابیل نے "خزانہ زندگی" سے لا کر اس جسم میں زندگی ڈال دی۔ ان روایات سے ار کی طاقت و عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

قاضی عبدالحلیم اثر صاحب کے جدید نظریہ کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جبکہ اس کی دوسری شہادتیں بھی موجود ہیں لیکن اس کو آنکھیں بند کر کے قبول بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے مزید شہادتوں، تاریخ تذکروں اور مذہبی روایات کی تلاش و جستجو کی ضرورت ہے۔ بہرحال ہو کچھ بھی لیکن پٹھان ایک عظیم اور جری قوم سے تعلق رکھتے ہیں جن کی شجاعت الوالعزمی، قومی غیرت اور دینی حمیت اپنی آپ ہی مثال ہے۔

اسلام ایک سمندر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سمندر میں مختلف سمتوں سے ندیاں اور نالے آ کر گرتے ہیں۔ پٹھان بھی ایک ندی ہے جو اسلام کے سمندر میں آ کر ملی۔ یہ ایسا سمندر ہے جو اس سے ملنے والی ندیوں کو اپنے میں گم بھی کرتا ہے اور ان کے جوہر ذاتی کو ابھارتا بھی ہے۔ پٹھان چونکہ اسلام سے پہلے بھی عظیم الشان دینی روایات کے امین تھے اور جلیل القدر پیغمبروں کے رشتہ سے جڑے ہوئے تھے اس لیے اسلام سے پہلے بھی وہ دین خداوندی سے قریب اور آسمانی آواز سے مانوس تھے۔ یعنی یہ کہ پٹھان جدًا بنی اسرائیل ہیں اور ان کا تعلق بنی اسرائیل کے اسباط گمشدہ سے ہے۔ تحقیق اور علم کی روشنی میں بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور تمام افغان اس بات پر متفق بھی

ہیں کہ وہ نسلاً بنی اسرائیل ہیں۔

[1] "افغان اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ اگر اس قوم کا بنی اسرائیل کے ساتھ قدیمی رشتہ نہ مانا جائے تو پھر یہ بتانا مشکل ہوگا کہ ان میں عام طور پر بنی اسرائیل کے نام کیوں رائج ہیں۔ ان کا یہ قول کہ (وہ بنی اسرائیل ہیں) اگر کسی سچی بنیاد پر قائم نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان میں یہودیوں کی رسومات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً "عید الفصح" کا منانا وغیرہ۔ افغانوں میں جو انتہائی تعلیم یافتہ ہیں وہ اپنا بنی اسرائیل ہونا بڑے اصرار سے بیان کرتے ہیں۔ میرے نزدیک افغانوں کا مسئلہ صحیح طور پر اس طرح حل ہوتا ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ یہ بنی اسرائیل ہیں جو قدیمی راجپوتوں میں مل گئے ہیں۔"

مندرجہ بالا بیان مسٹر ٹامس ہولاک کا ہے جو اس نے سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۳ر نومبر ۱۸۹۸ء ایک مضمون میں سواتیوں اور آفریدیوں سے متعلق لکھا ہے:

لیکن اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ قدیمی راجپوتوں میں مل جل گئے ہیں بالکل ہی غلط اور بے بنیاد ہے۔ آدمی سب کچھ بھول سکتا ہے مگر اپنے اجداد اور ان کے کارناموں کو نہیں بھول سکتا ہے۔ ہندوستان میں خاص طور پر شمالی ہندوستان میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں گھرانے ایسے ملیں گے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے نام کے ساتھ خان کا بھی استعمال کیا۔ لیکن چونکہ ان کا تعلق راجپوت گھرانوں سے تھا لہٰذا انھوں نے اپنے اجداد کو چھپایا نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ افغان یا پٹھان اپنے کو بنی اسرائیل کہتے ہیں چاہتے تو وہ بھی یہی کہنے لگتے اور اگر کچھ خاندان افغانستان کے بنی اسرائیل اور کچھ راجپوت ہوتے تو بھی وہ اپنے اجداد کا برملا ذکر کرتے تمام افغان قبائل کا یہ کہنا کہ وہ بنی اسرائیل ہیں؛ ان کے بنی اسرائیل ہونے کا ثبوت ہے۔

---

[1] ترجمہ رسالہ ریویو آف ریلیجن قادیان ۲۰ جون ۱۹۰۸ء (ترجمہ از سول ملٹری گزٹ لاہور۔ مصنف ڈ ٹامس ہولاک

ہیں، ان کے بنی اسرائیل ہونے کا ثبوت ہے۔

ڈاکٹر بیلو اپنی کتاب سیاحت مشن افغانستان مصنفہ ۱۸۵۷ء میں لکھتا ہے:

> "افغان حکمراں قوم ہے اور ان کی تعداد تین ملیان ہے۔ ان میں اور دوسرے باشندوں میں ہر بات میں فرق ہے۔ صورت، معاشرت، لباس، مراسم، عادات و اطوار میں تمام اقوام سے نرالے ہیں۔ ان کی زبان پشتو یا پختو ہے۔ اس زبان کا تلفظ غیر ملک والوں کے لیے نہایت دشوار ہے۔ صرف و نحو اس زبان کی نہایت آسان ہے مگر فعل کی ترکیب مثل عبرانی کے ہے۔ پشتو الفاظ کی مخصوص آواز ہے جو کسی اور ایشیائی زبان میں نہیں۔"

سردار غلام حیدر خاں ولی عہد امیر کابل نے مجھے سات جلد کتب تواریخ افاغنہ عنایت کیں ان سے نسب افاغنہ کے بارے میں خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

> "افغان اپنا نسب ملک طالوت سے ملاتے ہیں اور بخت نصر نے جب بیت المقدس کو تباہ کیا اسوقت غور میں آکر آباد ہوئے۔ یہاں کے قدیم باشندوں سے برابر جنگ جاری رہی۔ افغان توریت خواں تھے اور موسیٰ (علیہ السّلام) کے احکام کے پابند تھے۔"

- اصل نام افغانوں کا پختون یا پشتون ہے۔ یہ لفظ عبرانی ہے بعض کہتے ہیں سریانی ہے اور اس کے معنی آزاد شدہ کے ہیں۔
- افغانوں کی عادات یہودیوں کی سی ہیں۔ اور باوصف اس کے کہ اور قوم کی لڑکیاں بھی بیاہ لیتے ہیں مگر اپنی لڑکی غیر قوم میں کبھی نہیں کرتے اس لیے صورتیں کبھی نہیں بدلتی۔
- قربانیوں کا خاص دستور افاغنہ میں ہے کہ جب کوئی وبا آتی ہے تو بھیڑ یا بکری کی قربانی وبا دور کرنے کے لیے مثل یہودیوں کے کرتے ہیں۔

• ۔ اگر کسی کے ہاتھ سے نقصان پہونچا ہو تو نقصان پہونچانے والا ایک برتن جلتی ہوئی آگ سر پر رکھ کر نکلے گا، قرعہ کے ذریعہ موروثی آراضی تقسیم کی جاتی ہے یہی طریقہ یہودیوں میں بھی جاری تھا۔ اس کو پوچھیا پردہ کہتے ہیں۔

• ولیوں کی تعظیم اور تکریم اور مزاروں کی پرستش انتہا درجہ کی افغانوں میں جاری ہے۔ صرف غزنیں میں ۱۹۷ مزار ہیں۔ یہی حالت بنی اسرائیل کی توریت سے معلوم ہوتی ہے۔

• محمود کے زمانہ میں افغان پھیلنا شروع ہوئے۔ اس کی فوج میں پٹھان سرداروں کا عروج تھا۔ ہندوستان کے حملوں میں پٹھان سربرآوردہ تھے۔ انہیں کے سبب سے کامیابی ہوئی۔

• سنہ ۱۱۵۰ء میں غوری خاندان نے غزنوی کو دور کر کے سلطنت قائم کی اور یہ حکومت سنہ ۱۲۱۴ء تک قائم رہی۔

• سنہ ۱۴۵۱ء میں بہلول لوی یا لودی (پٹھان) ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ سنہ ۱۵۲۶ء میں بابر نے لودی خاں کی حکومت ختم کی۔ پھر چند برسوں تک شیر شاہ سوری کی حکومت رہی۔

پٹھانوں کے وہ نام جو عبرانی زبان کے ہیں؟

قیس عبرانی نام ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد عبدالرشید ہوا۔

۲- شنسب۔ یہ غوری خاندان کا پہلا آدمی ہے جو مسلمان ہوا۔ (طبقات ناصری)

۳- شیث۔ یہ بھی خاندان غور کا تھا۔ (”)

۴- بنجی۔ یہ شخص بھی اسی خاندان کا تھا۔ (”)

۵- خرمیل و حرقیل۔ دونوں نام افغان پہلوانوں کے ہیں۔ جو ہاتھیوں سے لڑتے تھے۔ خرمیل ہاتھی سے مارا گیا ہے۔ حرقیل نے ہاتھی کو مارا۔ یہ لڑائی غوری اور غزنوی خاندان میں ہوئی تھی جس میں یہ دونوں پہلوان لڑے تھے۔ (طبقات ناصری)

۶- سوری شامی زبان میں فوجی افسر کو کہتے ہیں۔

افغانستان میں مختلف مقامات کے نام

غور[1] اسی نام کی ایک جگہ ملک شام میں ہے

۲- خیبر[2]۔ یہ مقام شام اور عرب میں ہے۔ عبرانی زبان میں خیبر کے معنی قلعہ کے ہیں

۳- بختنہ یا بختون۔ اس نام سے یہ قوم اپنے کو منسوب کرتی ہے۔ جو نسلاً بنی اسرائیل ہے۔ یہ نام زمانہ قدیم میں جنوبی حصہ افغانستان میں تھا۔ جو عبرانی لفظ پشتو سے ماخوذ ہے۔

۴- رادہ۔ یہ جگہ راحیل حضرت یعقوب کی زوجہ سے منسوب ہے۔

۵- کوہ سلیمان۔ یہ نام عبرانی ہے۔ اس پہاڑ کا دوسرا نام قیسی غر ہے۔ غر پشتو میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ عبرانی میں گور پہاڑ کو کہتے ہیں۔

۶- غور مرغے۔ یہ جگہ قندھار کے قریب ہے جس کے معنی چکنی سبز دوب کے ہیں

۷- پشت یہ جگہ ہرات کے قریب ہے۔ پشت خاص عبرانی لفظ ہے پشت فلسطین میں بھی ایک قریہ کا نام ہے۔[3]

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد اول ص ۲۰۸ [2] ڈاکٹر بیلو۔ سیاحت مشن افغانستان ص ۵۷ [3] یعنی مسکن

۸- درہ مشکن[1]۔ یہ درہ غور کے پہاڑ میں واقع ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بنی اسرائیل جلاوطن ہو کر آباد ہوئے۔ مشکن کے معنی عبرانی میں سکونت کی جگہ یا آرام کرنے کے ہیں۔

پشتو میں عبرانی الفاظ

۱- غر پشتو میں پہاڑ کو کہتے ہیں غرونہ جمع عبرانی میں گورو گورم کہتے ہیں۔ گورم جمع

۲- کور پشتو میں گھر کو کہتے ہیں۔ عبرام میں کورہ شہر پناہ کو کہتے ہیں۔

۳- تورا پشتو میں تلوار کو کہتے ہیں۔ اور عبرانی میں نیام کو۔ دوسرا لفظ طورہ ہے جس کے معنی قانون کے ہیں۔

۴- ترخ پشتو میں بغل کو کہتے ہیں اور عبرانی میں پہلو کو۔

۵- اُور پشتو میں آگ کو کہتے ہیں اور عبرانی میں روشنی کو۔

۶- غارہ پشتو میں گلے کو کہتے ہیں اور عبرانی میں گورن گلے کو کہتے ہیں

۷- شلے پتیری روٹی کو کہتے ہیں جو عید فصح میں پکائی جاتی ہے۔

۸- پشتو اس کا ماخذ پاشت ہے اس کے معنی پھیلنے کے ہیں۔

— لفظ پشتو عبرانی ہے جس کو اہل شام صحیح کے معنوں میں بولتے تھے بعض نحوی کی جگہ بولتے اور بعض پھیلنے کے معنوں میں بولتے تھے۔ [2]

---

[1] بمعنی مسکن

[2] عبرانی انگریزی بریسلا ڈکشنری

کُشٹ[1] کے معنی پھیلنے کے ہیں اس کا تعلق تباش سے ہے۔ جس کے معنی فوج کے ہیں جو کسی سمت بغرض حملہ یا غارت کے پھیلے۔ پوشٹ فاعل ہے اور پوشتین اس کی جمع

مصنف طبقات ناصری اس قوم کی فوج کے بارے میں لکھتا ہے "خصوصاً جماعت افغانان کہ ہر یک ازایشاں گوئی زندہ پیلے است"

اسلام سے پہلے افغانوں کا مذہب

اسلام سے پہلے پٹھانوں کا مذہب موسوی تھا۔ جس کا پتہ قدیم رسم و رواج سے چلتا ہے۔ افغانستان میں بدھ مذہب اور آتش پرستوں کی کچھ نشانیاں کابل اور بلخ کی طرف پائی جاتی ہیں۔ لیکن جنوبی اور مغربی افغانستان جو افغان قوم کا مرکز رہا ہے وہاں کوئی پرانی نشانی بدھ یا آتش پرستوں کی نہیں ملتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ افغانوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔

مندرجہ ذیل واقعات اس کے ثبوت کے لیے کافی ہیں:

"زردشت[2] نے اشاعت مذہب کی راہ اختیار کی اور ایک سردار پرشت[3] نامی کے پاس گیا۔ یہ سردار سیستان کے سرے پر رہتا تھا یہ

---

[1] انگریزی برسیالڈ ڈکشنری

[2] حیات زردشت مصنفہ جیکسن ص ۴۴ و ۴۵ (زردشت کی وفات ۵۳۰ ق م میں ہوئی)

[3] یہ نام کتھانی ہے۔ تاریخ شام مصنفہ بیٹن ص ۱۵۴

یہ افغانستان اور بلوچستان کی سرحد پر ہے۔ پرشت نے زرتشت سے مقدس آبِ حیات مانگا۔"

زرتشت نے اس سے کہا — "تم حق کی تعریف کرو۔ شیطان پر لعنت بھیجو اور میرا مذہب اختیار کرو۔"

پرشت نے کہا — "میں پہلی دو باتوں پر عمل کروں گا۔ تیسری پر عمل نہ کروں گا یعنی تیرا مذہب نہ مانوں گا۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زردشت ملک افغان سے گزرا ہے اور یہ بات صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ ایک طویل بحث و مباحثہ ہوا ہوگا اور زردشت پر پیروانِ[1] موسیٰ علیہ السلام کے افکار و نظریات کے کچھ نہ کچھ اثرات ضرور پڑے ہوں گے جس کے ثبوت کے لیے یہ بیان کافی ہوگا:

— "عبرانی قوموں کے اسیر ہو کر مدتہائے مدید تک بلاد فارس کے قریب آوارہ وطن رہنے سے غالباً وہ اصلاح وقوع میں آئی جو دارا کے عہدِ سلطنت میں ہوئی۔ بنی اسرائیل نے زردشت کے دین مذہب پر ایک گہرا اور دائمی سکہ وجود واجب الوجود کا بٹھا دیا۔"

— "بنی اسرائیل[2] اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہم باختر اور ہرات میں ٦٢٠ ق م کے آکر آباد ہوئے۔ شاہ اسیریا نے ڈھائی قومیں بنی اسرائیل کی بیت المقدس کی تباہی کے بعد وہاں سے نکال دی تھیں۔ اس کے بعد

---

[1] اے کریٹیکل اگزامینیشن آف دی لائف اینڈ ٹیچنگس آف محمدؐ (تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام) مصنف سید امیر علی ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ص ١٢

[2] کتاب سائنس آف ریلیجن مصنف فرلانگ ص ٢٩ مطبوعہ ١٨٩٧ء

یہود اور گبر میں لڑائیاں ہوئیں۔

یہ یہود ہی وہ افغان ملک غور اور فیروز کوہ کے معلوم ہوتے ہیں جن سے آتش پرستوں سے آگ بجھانے پر جھگڑے ہوا کرتے تھے۔

افغانوں کے پاس سے عبرانی زبان کی توریت اور موسائی مذہب کی ادعیہ ملنا یہ ثابت کرتا ہے یہ اس قدیم مذہب کی نشانیاں ہیں۔

مصنف تاریخ نیرنگ افغان پٹھانوں کے مذہب کے بارے میں لکھتا ہے:

" افغان اپنے بنی اسرائیل ہونے کے جو ثبوت پیش کرتے ہیں وہ اس واقعہ سے متعلق ہے کہ جب نادر شاہ پشاور میں داخل ہوا تو یوسف زئی سرداروں نے اس کے سامنے کتاب مقدس کا ایک نسخہ جو عبرانی میں تھا تحفۃً پیش کیا اسکے علاوہ اور بہت سے مکتوبات ادعیہ وغیرہ جن کو انھوں نے اس وقت تک اپنے پاس احتراماً باقی رکھا تھا۔ پادری جو ہم رکاب تھے انھوں نے اس امر کو تسلیم کیا کہ یہ مکتوبات، دین عیسوی کے مطابق ہیں۔

اس مضمون کا تذکرہ رسالہ ریویو آف ریلیجز۔ قادیان ۲۰ر جون سنہ ۱۹۰۴ء میں ہے اسی رسالہ میں اخبار سول ملیٹری گزٹ کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جانسٹن افغانوں کی مندرجہ روایات بیان کرتا ہے کہ جب نادر شاہ پشاور میں داخل ہوا تو یوسف زئی سرداروں نے ایک بائبل نادر شاہ کے حضور میں پیش کیا جو عبرانی میں تھی۔ کئی دوسری چیزیں بھی پیش کیں جن کو وہ اپنی قدیم عبادت میں استعمال کرتے تھے۔

مورخوں اور دیگر سیاحوں نے بھی افغانوں میں بنی اسرائیل کے مراسم کا ذکر کیا ہے۔ کسی اور مذہب کے اثرات کا ذکر نہیں کرتے۔ ان سب بیانات کو یکجا کیا جائے تو افغانوں کا قدیم مذہب موسوی ہی ٹھہرے گا۔

قیسی گروہ میں تقریبًا تمام افغانوں کی قوم داخل ہے۔ درّانی، غلجی[1]۔ یوسف زئی یہ سب قیس عبدالرشید کے سلسلہ میں شمار ہوتے ہیں۔

"[2] ۴۴ھ - ۶۲ھ، اور ۸۰ھ میں افغان مسلمان تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی روایتوں کے بموجب اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اسکے بعد لاہور کے راجہ اور افغانوں میں برابر لڑائی ہوتی رہی بسنہ ۶۳ھ سے انھوں نے ہندوستان پر حملے شروع کر دیے تھے اور آخر میں راجہ نے ملک کا ایک حصہ افغانوں کو دے دیا۔ دوسری صدی ہجری میں سندھ سے ہٹائے جانے والے عربوں کو پٹھانوں نے پناہ دی تھی۔"

ایک دوسرا مورخ فتح سندھ کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

[3] در سن شصت وشش (۶۶) سال ہجری در عہد سلطنتِ ولید مذکور حجاج بن یوسف ثقفی سپہ سالار افواج ولید حسب الحکم پادشاہ خواہر زادۂ خود عماد الدین محمد بن قاسم را امیر افواج نصرت افواج اسلام ساختہ بہ تسخیر طائفۂ افغان را کہ ہنگام محاربہ افواج بنی امیہ با سوریان غور نیز مطیع ومنقاد ماندہ بودند ہمراہ خود گرفتہ ولشکر ایں طائفۂ جریۂ پشتون فوج اسلام مقرر نمودہ وسرداران ایشاں را در کار داشتہ بتوجہ تسخیر سیستان وبلوچستان وبعد محاربات شدیدہ وراجہ سیستان را بقتل رسانیدہ وولایت سیستان را فتح بلاد اطراف وجوانب آں ولایت مامور فرمودہ اکثر ممالک بلوچستان وسندھ

---

[1] غلزی [2] تاریخ ہند مصنفہ آنرایبل الفنسٹن ص ۲۶۰ [3] مؤرخ خورشید جہاں ص ۶۵۔

و ملتان مفتوح ساختہ و بعضی از سرداران آن ولایت مقتول شدہ واکثر مشرف بشرف اسلام گشتند و از فتوحات این ولایت غنیمت بی شمار بدست افغان و دیگر غازیان در آمدہ۔“

سرجان مالکم بھی انھیں خیالات کا اظہار اس طرح کرتا ہے ——

در آنکہ[1] این طائفہ از اوائل ظہور اسلام بدین دین در آمدہ اند مجال شکست نیست۔“

اسکے بعد کہتا ہے:

در یکی از تاریخ افغان مسطور است کہ چون بخت نصر از امرائی بنی اسرائیل را بقتل رسانید بقیہ را بکوہستان غور فرستاد آنجا جمعیت ایشان شدہ آن صفحات را تصرف آوردند و ہمیشہ ما بین ایشان و یہود عربستان ابواب مراسلات مفتوح بود چون یہودان اعراب دین اسلام اختیار کردند خالد نام یکے از ایشان کاغذی بافغانان بعربستان، فتند یکی از اعاظم ایشان کہ قیس نام داشت و بچہل و ہفت واسطہ نسب خود را باسباط و پنجاہ و پنج واسطہ با ابراہیم میرسانید خالد ایشان را بحضور حضرت رسول ؐ بردہ پیغمبر ؐ ایشان را مشمول عنایات ساختہ و قیس را از میان ایشان بعواطف خاص امتیاز بخشید و او را عبدالرشید نام نہاد و لقب ملک بوے ارزانی داشت و فرمود کہ این لقب شائستہ اوست زیرا کہ از نسل بادشاہ بنی اسرائیل است و ایشان

---

[1] تاریخ ایران جلد اول ص ۱۹ مصنفہ سرجان مالکم۔

بعد از قبول اسلام در فتح مکہ متابعت کردند آثار جلادت در آں واقعہ بظہور رسانیدند بعد ازاں قیس بملک خود مراجعت کردہ پیغمبر صلعم در حق وے دعائے خیر فرمودہ چند نفر از اہل مدینہ را مصحوب وے گردانید تا در رواج دین حنیف و اجرائے مراسم شریعت در کوہستان غور اورا معاونت نمائند و قیس دراں امر چنداں مساعی جمیلہ مبذول داشت کہ قبل از فوت او کہ در سال چہلم از ہجرت واقع شد جمیع رعایائے او بدین اسلام در آمدہ بودند ہشتاد و ہفت سال عمر کرد و سہ پسر از وے ماند تا ہنوز نام وی بہ نیکی مذکور می شود و امرائے افغان کوشش می کنند کہ نسب خود را بوے رسانند۔"

مصنف مخزن افغانی کا کہنا ہے کہ سنہ ۹ ھ میں قیس نے اسلام قبول کیا اور طبقات ناصری کے بیان کے مطابق یہ واقعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پیش آیا۔

"شنسب[1] در عہد خلافتِ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ بر دست علی کرم اللہ وجہہ ایمان آورد و از روے عہد و لوای بستند و ہر کہ از خاندان او بر تخت نشستی آن عہد را کہ امیر المومنین علی نوشتہ بود۔ بدو دادندی در وندی و او قبول کردی آنگہ بادشاہ شدی و ایشان از جملہ موالیِ علی بودند و محبت آئمہ و اہل بیت مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم در اعتقادات راسخ بود۔"

---

[1] طبقات ناصری مطبوعہ ۵۶ ، ھ

سنہ ۱۷۰ھ مطابق سنہ ۷۸۶ء غوری خاندان میں جانشینی کا جھگڑا شروع ہوا تو اس کا فیصلہ ہارون الرشید عباسی نے کیا۔

"چوں[1] دولت آلِ عباسی استقامت گرفت و ممالک اسلام در ضبط خلفائے بنی عباس آمد اوّل کسی کہ ازیں دودمان بدار الخلافت رفت و عہد و لوا آورد امیر بنجی نہاران بود و سبب رفتن او بحضرت امیر المومنین، ہارون رشید ایں بود کہ در غور قبیلہ بود کہ ایشاں را شنسبانیاں گویند و ایشاں دعوی آں کنند کہ اوّل پدر ایشاں اسلام آورد آنگاہ شنسبانیاں و محمد را بلفظ غور حمد گویند و چوں ایشاں اسلام آوردند نام ایشاں حمدی گفتند یعنی محمدی و در عہد امیر بنجی از قبیلۂ شنسبانیاں امیری بود نام او شیث بن بہرام و بلفظ غوریاں شیث را شنسب گویند و ایں قبیلہ را شنسبانیاں بدیں اعتبار خوانند میانۂ امیر شنسب و میان امیر بنجی بجہت امارت غور منازعت رفت و فتنہ درمیان خلق غور ظاہر شد از طرفین جملہ اتفاق کردند کہ ہر دو امیر بنجی و شنسب بحضرت خلافت روند ہر کہ از دار الخلافت عہد و لوا آرد امیر او باشد ہر دو تن استعداد سفر کردند و روے بدار الخلافت نہادند راوی چنیں گوید کہ بازرگانی بود دراں دیار یہودی بر دین مہتر موسیٰ علیہ السلام آں بازرگان را با امیر بنجی مجلسے بود و او سفر بسیار کردہ و در کارہا تجارت رفتہ و حضرت ملوک اطراف دیدہ و آداب درگاہ خلافت و ملوک و سلاطین شناختہ بود با امیر بنجی ہمراہ شد و مقصود

---

[1] طبقات ناصری

و مطلوب معلوم داشت امیر بنجی را گفت که اگر من ترا آداب تعلیم کنم و حرکات
و سکنات در آموزم و معرفت و مراتب درگاه خلافت و حضرت سلاطین
تلقین واجب دارم تا بدان سبب امارت و ریاست ممالک غور
حوالهٔ تو شود و با من عهد کن که در کل ممالک تو بهر موضع که بخواهم
جمعی را بنی اسرائیل و متابعان دین پیغمبر موسیٰ علیه السلام جا دهی و ساکن
گردانی تا در پناه تو و ظل حمایت ملوک و فرزندان تو آرمیده باشند
بنجی نهاران با آن تاجر بنی اسرائیل عهد کرد چون تو شرط نصیحت و تعلیم
آداب ملوک و خدمت درگاه خلافت مرا تعلیم کنی جمله ملتمسات
تو بوفا رسانم و مقترحات تو در کنار تو نهم چون از جانبین عهد مستحکم
شد آن تاجر بنی اسرائیل او را آداب ملوک و خدمت درگاه خلافت
و سلاطین و شرائط تعظیم دار الخلافت تعلیم دادن گرفت و بجهت
او لباس قبا و کلاه و موزه زرین و استعداد سواری و کار بستن
اسلحه بتلقین و تفهیم مهیا و مرتب میکرد چنانچه منازع او شیث
بن بهرام را از آن جمله هیچ معلوم نه شد. تا چون بدار الخلافت رسیدند
شیث بن بهرام همچنان با لباس مختصر غوریانه در خانهٔ معهود او بود و امیر بنجی
نهاران با لباس امیرانه و زی مهترانه و استعداد و آداب تمام
بحضرت خلافت آمد بعد از اتیان خدمت درگاه خلافت بوقت
فرصت برد و آنچه مقصود ایشان بود با شرائط خدمت بموقف عرض
رسانیدند و حال منازعت با یکدیگر بخدمت وزیر و استاد دار الخلافت
باز گفتند و مقصود و مطلوب کلی در میان آوردند امیر المومنین هارون
الرشید بعد از آنچه قصه ایشان را مطالعه فرموده نظر مبارک او بجمال

ایشاں ملحق شدہ درحق امیر بنجی نہاراں ترتیب فرمود چوں امیر بنجی نہاراں از جمال نصیب شامل ونصاب کامل داشت وبحسن طینت وطراوتِ زینت آراستہ بود بر لفظ مبارک امیر المومنین برفت کہ ہذا قسیم امیر المومنین یعنی ایں بنجی نیکو روی است وآدابِ امارت واسباب فرماندہی وایالت وحسن وصورت وصفائی سیرت جمع دارد امارت غور حوالۂ او باید فرمود وپہلوانی لشکر ممالک غور حوالۂ شیث بن بہرام باید کرد وبہ تشریف دار الخلافت ہر دو بدیں دو اسم مشرف شدند وبجانب غور بحکم فرمان خلافت مراجعت کردند وزاں عہد لقب سلاطین شنسبانی از لفظ مبارک امیر المومنین ہارون الرشید گشت چوں ہر دو تن بغور باز آمدند امارت شنسبانیہ وپہلوانیہ را تا بدیں عہد ہم بر آن قرار بود۔"

ایچ - ڈبلیو - بیلو افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کے بارے میں اس طرح لکھتا ہے:

ـــ" ان[1] لوگوں (افغان) کی روایت ہے ہمارا اصل وطن ملک شام ہے جہاں سے بخت نصر ہمیں قید کرکے لے آیا اور فارس، اور امیدیہ کے مختلف حصوں میں آباد کیا۔ ان مقامات سے انھوں نے مشرق کی طرف ہجرت کی اور غور کے پہاڑی علاقوں میں آباد ہوگئے۔"

چنانچہ اس سلسلہ میں توریت کی شہادت بھی موجود ہے۔

ـــ" بادشاہ[2] اسیریا نے سمیریا کو چھین لیا اور اسرائیل قیدی

---

[1] اقوام افغانستان ص ۱۵ مصنفہ ایچ۔ ڈبلیو، بیلو۔ سی۔ ایس۔ آئی۔

[2] توریت ص ۳۴۹

اسیر بناکر لے گیا۔ اور ان کو ہالا ہابر اور دریائے گوزن کے قریب آباد کیا
اور میڈ یعنی مجوس کے شہروں میں بھی آباد کیا۔"

کرنل بول۔ سی۔ بی انسائیکلو پیڈیا آف برطانیہ میں افغانستان کے بارے میں لکھتا ہے

" اس ملک کی عورتیں یہودیوں کی سی خوبصورت خط و خال رکھتی ہیں اور یہی بات مردوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔"

اے۔ بالفور۔ ایچ۔ آر۔ انسائیکلو پیڈیا آف انڈیا میں لکھتا ہے:

" افغانوں کی شکل یہودیوں سے ملتی ہے۔ ایک رسم میں افغان یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں یعنی چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کی بیوہ سے شادی کر لیتا ہے۔"

انسائیکلو پیڈیا آف جاگرفی کا مصنف لکھتا ہے:

" تمام سیاح اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ افغان اور پاس پڑوس کی قوموں میں بڑا فرق ہے۔ اور تمام افغان ایک ہی نسل کے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اپنی شکل وصورت اور خط و خال میں یہودیوں سے بہت ملتے ہیں یہ لوگ دراز قامت ہوتے ہیں۔ سیاہ آنکھوں والے نمایاں خط و خال والے اور ان کے چہرے بالکل یہودیوں جیسے ہوتے ہیں۔"

آنر ایبل الفنسٹن مصنف تاریخ افغانستان لکھتا ہے:

" افغانوں کو جو کوئی بھی دیکھے گا وہ ان کی جرأت اور عالی ہمتی کی تعریف کرے گا۔ ان کی مہمان نوازی، ان کے دلیرانہ اور سادہ طور طریقے جو اہل شہر کی خوشامد اور دیہاتیوں کی حماقت سے پاک ہوتے ہیں پسند کرے گا اور تجزیہ کے بعد یہ معلوم ہو گا کہ اگرچہ ان میں بہت

سی عادتیں ایسی ہیں جو ناپسندیدہ ہیں مگر ان میں نیکیوں کی جڑ موجود ہے اور جو بھی ان کی مضبوط اور چست شکل کو دیکھے گا وہ تعریف کیے بغیر نہ رہے گا ان کا خوشنما رنگ، اور یورپین خط و خال، ان کی دستکاری، حوصلہ مندی، مہمان نوازی، تحمل اور عیش و عشرت سے نفرت۔ جو ہر بات سے ان کی ظاہر ہوتی ہے۔ ان سب سے زیادہ ان کی آزاد روی اور استقلال کی عادت قابل ستائش ہے۔ مجموعی طور پر ایک سیاح کا خیال اپنے نئے آشنا کے لیے اچھا ہوگا اور وہ یہ محسوس کرے گا کہ اگرچہ وہ عام ایشیائی عیوب سے آلودہ ہیں مگر جب ملنے کا اتفاق ہوگا تو وہ مقابلتاً ان سے اچھا سمجھے گا اور افغانوں کے حالات میں دلچسپی لے گا۔ اور ان کو پسند کرے گا۔ میں افغان نام کی اصلیت پر اب بحث کرنے والا ہوں۔ یہ نام ساری قوم پر حاوی ہے اگرچہ اس نام کی اصلیت مبہم ہے مگر غالباً یہ نام نیا ہے اور خود افغانوں کو بھی یہ نام فارسی زبان سے ملا ہے ان کا قومی نام "پشتو" ہے جس کی جمع "پشتنہ" ہے اور درانی اسکو "پختنہ" کہتے ہیں میری رائے میں ہندوستانی نام پٹھان اسی سے نکلا ہے۔

عرب ان کو سلیمانی کہتے ہیں۔ یہ امر بالکل مبہم ہے کہ سلیمان نام کس وجہ سے قائم ہوا، آیا انکا کوہِ سلیمان کے قریب رہنے کی وجہ سے یہ نام ہوا یا ان کے کسی سردار کا یہ نام تھا جو ابتداً بوقت حملۂ عرب کے ان سے لڑا یا کوئی دوسرا ایسا سبب ہے جو ان کے یہودی نسب ہونے کے متعلق ہو۔"

افغان خالد سے بھی اپنا رشتہ ملاتے ہیں۔ عرب میں وہ خالد مشہور ہوئے ہیں۔

خالد بن ولیدؓ اور خالد بن عبداللہ جو کابل کے صوبیدار تھے۔ تاریخ فرشتہ لکھا ہے:

> ــــ "خالد بن عبداللہؓ را بحکومت کابل مقرر نمودہ چوں خالد بن عبداللہ از حکومت کابل معزول گشت مراجعت بعراق و عرب نتاق و دشوار تر دانستہ از بیم حاکم مجدد با عیال و اطفال و جماعت از مردم عرب بر ہنمونی اعیال کابل بکوہ سلیمان کہ مابین ملتان و پشاور است رفتہ متوطن شد و دختر خود را بحبالۂ نکاح یکے از افغانان معتبر کہ مسلمان شدہ بود در آورد" ــــ

خالد بن عبداللہ، عبداللہ بن سلا۔ ہیں جو حضرتؐ کے صحابی تھے۔ یہ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے صاحب تفسیر، توریت، زبور اور دیگر آسمانی صحائف سے پوری طرح واقف تھے۔

۲۶ ویں پارے سورہ احقاف کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> "ــ اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اسی طرح کی گواہی دے چکا ہے اور ایمان لے آیا اور تم نے سرکشی کی۔ بیشک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

مفسرین کے نزدیک گواہِ شاہد سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہی ہیں کیونکہ یہی مدینہ میں اسلام لائے اور حضرت یعقوب کی اولاد ہونا آپ کا قرآن سے ثابت ہے۔

ارمغانِ اسرائیل میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن سلام بنی اسرائیل یوسفی اور موسوی اولاد امجاد حضرت یوشع بن حضرت نون ابن حضرت افراہیم بن یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تھے۔ اور بہت بڑے صاحب تفسیر اور سارے علمائے یہود میں بڑے اور توریت و زبور و انجیل کے عالم بے بدل تھے۔

سنہ ۱۱۵۲ء میں غزنوی خاندان کے خاتمہ کے بعد غوری خاندان وجود میں آیا یہ خالص افغانی النسل حکومت تھی۔ یہی زمانہ ہے کہ جب افغان بحیثیت قوم نکل کر سامنے آئی۔ اس لیے کہ سپاہی اور بادشاہ دونوں افغانی تھے۔ یہ گروہ افغانستان سے نکل کر آسام کے جنگلوں تک پھیل گیا۔ سنہ ۷۰۵ھ مطابق سنہ ۱۳۵۰ء میں جامع التواریخ لکھی گئی اور اس میں پورے ملک کا نام افغانستان بتایا گیا۔

موجودہ افغانستان غوریوں کی حکومت میں شامل تھا۔ مختلف قبائل کی مندرجہ ذیل چھ راجدھانیاں افغانستان میں رہی ہیں۔ جو قوموں کے عروج وزوال کی کہانیاں سنا رہی ہیں۔

۱۔ بلخ۔ کیانیوں کا دارالسلطنت رہا۔ یہاں بدھ مذہب کے کھنڈرات ملتے ہیں۔ معدنیات سے پر ہے۔ یہی ملک باختر ہے۔ جہاں سے آریوں کی دو شاخیں ہو کر دنیا میں پھیل گئیں۔ ایک شاخ مغرب کی طرف چلی گئی۔ دوسری پنجاب میں بس گئی۔ دری زبان کا مرکز بھی باختر ہی ہے اور دوسری تاریخوں سے ثابت ہے کہ زردشت سب سے پہلے یہیں آیا گشتاسپ بادشاہ ایران سے ملا۔ اور دین زردشتی رائج کیا۔ بلخ پہلے کیانی ایرانی بادشاہوں کا دارالسلطنت رہا — اب افغانستان کا صوبہ ہے۔

۲۔ کابل — اس کی قدامت بلخ کے بعد ہے۔ یہاں رستم کا نانا محراب کابلی حکمران

---

[1] مصنف گزیٹیر افغانستان اسی کو باختر بھی کہتے ہیں

[2] ڈ الفنس مصنف باختر

[3] مصنف فرہنگ جہانگیری۔

رہا۔ ایرانیوں کے بعد سکندر کے قبضہ میں رہا۔ کچھ کشان تک (یوچی قوم تارتار) بھی حاکم رہا۔ سنہ ۲۲۶ء سے ساسانی شاہ ایران کے قبضہ میں رہا۔ کچھ عرصہ تک تیمور خاندان (الغ بیگ، بابر پندرھویں صدی عیسوی) کا دار السلطنت رہا۔ اور اس کے بعد مغلیہ سلطنت کے صوبیدار کا دار السلطنت رہا۔ اور اب پٹھانوں کا دار السلطنت ہے۔

۳۔ **غزنی** ۔ یہ ایرانی عہد میں زابلستان کہلاتا تھا۔ رستم کا بھی دار السلطنت رہا۔ پھر غزنوی خاندان (سبکتگین) کا سنہ ۹۷۵ء میں دار السلطنت رہا۔ دو سو برس تک ایشیا کے عروج کا مرکز رہا اور پھر غوری خاندان آیا۔ اب افغانستان کا ایک شہر ہے۔

۴۔ **ھرات** ۔ صاحب نزہت القلوب کے بیان کے مطابق :

> " ہرات در عصر سلاطین غوریہ بمرتبہ آباد بود۔ کہ دوازدہ ہزار دکان و شش ہزار کاروان سرائے پنجاہ و سہ مدرسہ و خانقاہ و آتش خانہ داشت و دو و چہار صد و چہل ہزار خانہ مردم نشین بود و بعد ازاں بسبب قتل عام چنگیزی در شہر ہرات جز شانزدہ کس زندہ نماند "

اس تباہی کے بعد ہرات پھر آباد ہوا۔ مغل حکمرانوں کی راجدھانی رہا ۔ ہرات قدیم شہر ہے اور ایران قدیم و جدید، غوری اور مغلیہ حکمرانوں کا دار السلطنت رہا ہے۔

۵۔ **قندھار** ۔ اس کے ارد گرد پختونوں کی نشو و نما ہوئی ہے۔

۶۔ **غور** ۔ پختونوں کے ابتدائی نشو و نما کی جگہ۔ گزیٹیر افغانستان میں اس کے بارے میں لکھا ہے:

> " غور افغانستان کا ایک ویران شہر ہے۔ اور ایسے درّے میں بسا ہوا ہے جہاں یورپین کا بھی گزر نہیں ہوا۔ ہرات سے ایک سو بیس ۱۲۰ میل جنوب

و مشرق "نیمانی" ملک میں واقع ہے اس کا بڑا حصہ دروں کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ جو "غوران" کہلاتے ہیں۔ ان کا نام غورۂ تیوارہ، اور غورہ مشکن۔ غور پختونوں کا مشہور جائے سکن ہے۔ غوریوں نے سنہ ۱۱۵۲ء میں غزنوی کے بعد حکومت سنبھالی اور آفغانستان سے لیکر گنگا کی وادی تک حکومت پھیلا دی جس کا اختتام مشرق میں بنگال اور آسام کے جنگلوں پر ہوا۔"

غور کی آبادی کے بارے میں وجنی لکھتا ہے کہ:

"افغانی روایت یہ ہے کہ "شولامو" دمشق سے آکر غورہ مشکن میں آباد ہوا۔"

لیکن ادھر کچھ مدّت سے افغانستان کے صاحبانِ علم وفضل نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ وہ آریا ہیں۔ اس کی وجہ سوائے سیاسی مجبوریوں کے اور کچھ نہیں ہو سکتی جبکہ آریا قطعی کسی نسل و قوم کا نام نہیں ہے۔ پچھلے صفحات میں اس پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مخالف آگ کے دیوتا کی پرستش کرتے تھے جسے "اُس" کہا جاتا تھا اور اسکے ماننے والے "آریا" حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملّتِ حنیف اور دینِ حنیف کی ابتدا ہوئی اور یعقوب علیہ السلام سے جو نسل چلی وہ بنی اسرائیل کہلائی۔

اگر یہ مانا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد نسلاً آریا تھے تو بنی اسرائیل بھی نسلاً آریا قرار پائیں گے

حضرت یعقوبؑ، جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کے بارہ بیٹوں اور ان کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ یہودا کے نام پر برگشتہ ہونے والوں نے دین حنیف کو ترک کر کے یہودی مذہب کی بنا ڈالی لیکن دوسرے اسباط بنی اسرائیل دین حنیف پر چلتے ہوئے شریعت موسوی سے دین عیسوی میں داخل ہوئے اور طلوعِ اسلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے مطابق "مسلم" کہلائے اور آج شریعت محمدی

کی پیروی کرتے ہوئے اسلامی حمیت و غیرت کو تھامے ہوئے مشکل ترین حالات میں بھی سینہ تانے کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے سروں کو کٹا کر بھی پرچم اسلامی کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے

طبقاتِ ناصری کے بیان کے مطابق فولاد[1] غوری حاکم غور تھا جس نے عباسیہ خاندان کی حکومت قائم کرنے میں مدد دی تھی۔ یہ ذکر سنہ ۷۴۹ء کا ہے اس طویل بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ پختون، پشتون، افغان، یا پٹھان نسلاً بنی اسرائیل ہیں۔ جنھوں نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کر کے دین کی خدمت انجام دی اور ہندوستان کی سرزمین پر کلمہ لا الہ الا اللہ کو پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اگر برصغیر میں پٹھانوں کو گم کر دیا گیا تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ اس سرزمین ہند کی وادیوں میں اسلام کو لانے والا تھا کون؟ اور کس نے اپنی اذانیں گنجائیں اور پھر آبِ رودِ گنگا کس کے بارے میں بتائے گی کہ اس کے کنارے کس کا کارواں اترا[2]۔ اور کس نے وضو کیا؟ محمد بن قاسم کی مدد کے لیے کون تھا اور کس نے بلوچستان، سندھ، اور ملتان تک اپنے گھوڑے دوڑائے، انند پال کی بڑھتی ہوئی افغانی علاقوں میں یلغار کو کس نے روکا، محمود غزنوی کے لشکروں میں کون تھا؟ غوری پٹھان تھا، لودھی پٹھان تھے بابر کی فوجوں میں کون لوگ تھے۔

قطب الدین ایبک[3]، التمش، رضیہ سلطانہ، چاند بی بی، تغلق[4]۔

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۲

[2] اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا (اقبال)

[3] پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ (ایبک سروانیوں (شروانیوں) کی شاخ ہے۔

[4] تغلق یا تغرک پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ (تغرک کاکڑ کی شاخ ہے۔)

اور شیر شاہ کون تھا، سکندر لودی کون تھا، بنگال پر ۲۳۱ برس تک کس کا جھنڈا لہراتا رہا۔ بختیار خلجی کون تھا؟ علاء الدین خلجی (غلجی) کون تھا؟ دلیر خاں، خواص خاں ولی۔ جہانگیر خاں لودی کون تھا، خوشحال خاں خٹک اور رحمان بابا کون تھے۔ خان عبدالغفار خاں کون ہیں۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کون تھے۔

پٹھانوں کی عظمت اور بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آج بھی لوگ ان کو ایک لڑنے بھڑنے والی قوم مانتے ہیں۔ جس طرح اس ایٹمی دور میں اصطلاحاً شمشیر ہی کا ذکر آتا ہے اور اس کی عظمت کا اقرار کیا جاتا ہے اسلئے کہ اس کی مدت حکمرانی انتہائی طویل ہے، بالکل اسی طرح برصغیر کی اقوام میں پٹھانوں کی جنگ و پیکار کی اتنی طویل داستان ہے اور ان کی شمشیر زنی کی اتنی تیز کاٹ ہے اور اتنی لمبی مدت تک یہ سلسلہ رہا ہے کہ برصغیر میں آنے والی اقوام نے ان کا لوہا مانا ہے۔

یہ پٹھان تھے جن کی شمشیر آبدار نے ڈیڑھ سو برس تک انگریز کی نیند حرام کردی۔ ۱۷۵۷ء سے لیکر ۱۹۴۶ء تک برصغیر کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانے میں آپ کو ہر جگہ پٹھان سرفہرست دکھائی دیں گے۔

مغلوں اور انگریزوں کے عہد میں پٹھانوں کو خونخوار اور درندوں کی شکل میں پیش کرنے میں پوری کامیابی حاصل کرلی گئی لیکن اس عہد میں "خان" کا لقب باعث عزت کیوں تھا؟ کیا انگریز اور مغل جس کو جاہل، اجڈ اور خونخوار سمجھتے تھے اسے یہ خطاب دیتے یا صاحبانِ علم و فضل کو؟ موجودہ پستیوں کے باوجود پٹھان ہی ایک ایسا گروہ ہے جو معاشی برابری پر زور نہ دے کر سماجی مساوات کا علم بردار ہے گویا وہ اشتراکی گروہ ہے جو پہلے سماجی برابری پر زور دیتا ہے، یعنی سماج میں معاشرہ میں ہر فرد کی عزت مساویانہ ہو ــــ! یہی اسلام کی تعلیم بھی ہے اور اس طرح اسلامی نظریۂ مساوات کا سب سے بڑا عملی مبلغ آج بھی پٹھان ہے۔

آغاز اسلام کے وقت سماجی مساوات ہی کا بنیادی مسئلہ تھا۔ یعنی معاشرہ میں بلال حبشی رضؓ، صہیب رومی رضؓ، اور ابو جہل و عتبہ و شیبہ کا سماجی مرتبہ ایک ہو جائے اور کسی کو اس لیے کمتر نہ سمجھا جائے کہ وہ غلام گھرانے میں پیدا ہوا ہے بلکہ اولاد آدم کے ناطے تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں اور عظمت و بزرگی کی علامت اعمال صالح اور نیک کردار بنیں گے۔

پٹھانوں یا افغانوں کی یہی سیرت سکندر یونانی سے لیکر اشتراکی روس کی توسیع پسندیوں تک سینہ تانے کھڑی ہے۔

خبر نہ بود کہ این مملکت عدو سوز است
خدنگِ چلۂ پکتیان جگر سوز است

پژماں بہ جنس زن بحقارت نظر مکن
آناں اگر زنند ولے مرد پروارند

انیسہ تخلص، انیسہ بیگم نام[1]

پروفیسر ہارون خاں شروانی کی شریک حیات۔ ولادت دتاولی ضلع علی گڑھ میں ہوئی۔ والد محترم کا نام حاجی مولوی محمد یونس خاں۔ نواب مزمل اللہ خاں شروانی کی بھانجی۔ تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ حدیث، فقہ، اور تفسیر قرآن کی اعلیٰ ترین تعلیم اپنے والد بزرگ وار سے ہی حاصل کر لی۔ زاہدہ خاتون (از۔ خ۔ ش) آپ کی سہیلی تھیں۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں شادی ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں حج بیت اللہ سے بھی شرف یاب ہوئیں اور شاعری شروع ہوگئی۔ چنانچہ کہتی ہیں ؎

شعر کی مشق بڑھی عشق نبی کی دھن میں
فیض کس کا اسے سمجھوں جو خداداد نہیں

شاعری میں کسی سے تلمذ نہیں۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں مغربی ممالک کا بھی سفر کیا۔ انگلینڈ، فرانس، اٹلی، ترکی اور بلقان وغیرہ کی سیر کی ؎

پروردگار دے مجھے غیرت شعار آنکھ
پاس و لحاظِ مہر کی سرمایہ دار آنکھ
کیا شان ہے فراست مومن کی دیکھنا
انوار کبریا کی ہے منت گزار آنکھ
گر آنکھ دے خدا، تو بصیرت عطا کرے
خاکستر جہاں سے نہ ہو پُر غبار آنکھ

---

[1] خواتین دکن کی اردو خدمات

اے دو جہاں کے مالک اعلیٰ ہے نام تیرا — پر دل کی بستیوں میں دیکھا مقام تیرا
موقوف کب ہے جن و انس و ملائکہ پر — طائر بھی نام لیتے ہیں صبح و شام تیرا
تخصیص نعمتوں میں ابرار کی نہیں کچھ — اشرار پر بھی ہر دم ہے لطفِ عام تیرا
حد ہوگئی کہ تیرے محبوب کی زباں سے — ہم خاکیوں کو پہنچا یارب پیام تیرا
تو پردہ دارِ شب ہے تو خالقِ سحر ہے — خورشید چرخ کیا ہے؟ ادنیٰ غلام تیرا

سب کچھ مٹا چکی ہوں اس آرزو پہ یارب
ہو جائے لوح دل پر منقوش نام تیرا

مسلماں غور کر کیوں آج تیری
وہ پہلی آبرو باقی نہیں ہے

مصائب غیر کے پیشِ نظر ہیں
رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے

غضب ہے بھائی کا دشمن ہے بھائی
اخوت کی وہ خو باقی نہیں ہے

مصائب غیر کے پیشِ نظر ہیں
خود اپنی جستجو باقی نہیں ہے

کیا پیرہنِ دین اس طرح چاک
کہ اب جائے رفو باقی نہیں ہے

عنادل کیوں نہ ہوں دلگیر و خاموش
گلوں میں رنگ و بو باقی نہیں ہے

زبانوں پر تو ہے اللہ، اللہ
دلوں میں ہائے تو باقی نہیں ہے

جو ذوقِ منظر ہو ترکی میں آ کر
حیاتِ عظیمہ کے آثار دیکھو
لگا کرنے چشمک زنی ہمسروں سے
لقب جس کا تھا مردِ بیمار دیکھو
مٹانے پہ جس کے تلا تھا زمانہ
ابھرتا ہے وہ ترک تاتار دیکھو
بہ اظہارِ جرأت بہ زورِ صداقت
ہوئے کس طرح زیرِ اغیار دیکھو
بہ صد شان جاتا ہے انطاکیہ کو
اتاترک کا خیلِ جرّار دیکھو
جو سوئے ہوئے تھے، جو کھوئے ہوئے تھے
کیا ان کو یک لخت بیدار دیکھو
سنبھلتی ہیں، گر کر، چمکتی ہیں مٹ کر
یہ ہیں زندہ قوموں کے اطوار دیکھو

آفاق[۱] تخلّص ملکہ آفاق زمانی بیگم

عاصی و عاجز و محبوس الم
ملکہ آفاق زمانی بیگم

صابر علی خانصاحب صابرؔ کی بیٹی۔ محمد شیر علی خانصاحب مرحوم کی شریکِ حیات۔ کلام و بیان صاف، ستھرا، سیدھا سادہ اور دلکش انداز، روزمرّہ محاورات کا بیساختگی سے استعمال۔ حسن ادا اور لطافت بیان روح کلام اور اشعار کی جان۔ شگفتگیٔ اشعار اور بلندیٔ تخیل کے ساتھ ہی شاعری سے فطری لگاؤ نے کلام کو جاندار بنانے میں مدد دی۔

رنگِ حنا کی زینتیں، سرمہ کی شوخیاں غلط
حسن تو خود بہار ہے اس کے لیے بہار کیا

مثلِ کلیم طور پر دید کو جائیں کس لیے
دل میں ضیا فگن نہیں جلوۂ حسن یار کیا؟

✓ خانہ خراب عشق کی اللہ رے شورشیں
جس جا قدم گیا وہیں ویرانہ کر دیا

---

[۱] شاعرات اردو

آئینہ کی بقا اسی میں تھی   لب کشائی کا جو حوصلہ نہ کیا
بے وفا کوئی کیوں کہے اسکو   اس نے وعدہ کیا، کیا، نہ کیا

✓ وہ غنچہ ہوں جو بن کھلے مرجھائے چمن میں
وہ اشک ہوں جو زینت داماں نہیں ہوتا
زنداں میں بھی ٹکرائے ہیں زنجیر کے حلقے
کب جوشِ جنوں دست و گریباں نہیں ہوتا
کیوں خالِ سیہ عارضِ گلگوں پہ ہے مائل
ہندو تو کوئی مائل قرآں نہیں ہوتا
جوہر نہ ہوں تو تیغ ہے فولاد کا ٹکڑا
انسان فقط کہنے سے انساں نہیں ہوتا
دیوانے کو تیرے نہیں کچھ ہو، کی ضرورت
محتاج بہ سنگِ کف طفلاں نہیں ہوتا

چشم میگوں نے کر دیا بد نام
رات کا جاگنا عذاب ہوا
آنکھ کھلتے ہی آ گئی پیری
کس قدر جلد انقلاب ہوا

بہائے شبنم نے اشک پیہم نسیم بھرتی ہے سرد آہیں
نہ صوتِ بلبل میں ہے ترنم ہر ایک نغمہ کا تار بدلا
نہ رند کو لطفِ مے کشی ہے نہ زاہدوں کو نماز کی دھن
عذاب بدلا، ثواب بدلا، شراب بدلی خمار بدلا
چمن کی دل چسپیاں کہاں ہیں نہ چہچہے ہیں نہ قہقہے ہیں
قدم جمائے ہیں کیا خزاں نے کہ آج رنگِ بہار بدلا

کس قدر تیز ہے شباب کی دھوپ
جیسے بھادوں میں آفتاب کی دھوپ

زلف کو چھو کے پریشاں کیا   واقعی لائقِ تعزیر ہیں ہم

وہ دیکھتے ہیں نبضِ مریضِ تپِ غم کی
میں جذبِ محبّت کا اثر دیکھ رہا ہوں

اصل آفاق چھپالی اس نے   ڈال کر تسبیح و زنّار کا پیچ

جو برمحل ہو تو ہر بات خوب ہوتی ہے
ستم بستم کی طرح کرم کرم کی طرح

پھولوں میں جو خوشبو ہو تو غنچوں میں تبسم
ہر چیز سے ظاہر ہو ہر اک شے میں نہاں ہو
آفاق یہی لطف تو ہے شعر و سخن میں
ندرت ہو تخیئل میں تو دلّی کی زباں ہو

✓ موسیٰ نہیں کہ تاب نہ لاؤں میں حسن کی   بے پردہ سامنے مرے تو بھی تو آکے دیکھ

مسجد میں یہ کہتا ہے بھر دے مرا پیمانہ
زاہدوں کی دعاؤں میں الفاظ ہیں رندانہ

ستم ہے، قہر ہے، آفت ہے، کمسنی کیا ہے
شباب دیکھیے کیا کیا کرے ابھی کیا ہے

فرہاد تو نے دیکھ لی امداد عشق کی
پتھر پہاڑ کے تھے مگر کھیل ہو گئے

✓ جاتے ہی ان کے زیست کی صورت بدل گئی   اللہ اتنی دیر میں قسمت بدل گئی

✓ کیا برباد جن کو وہ تمنائیں تمہاری تھیں   نہ حسرت میری حسرت تھی نہ ارماں میرا ارماں تھا

اک رسم ہے، جس کو کہ ادا کرتی ہے دنیا
میت پہ کسی شخص کا احساں نہیں ہوتا

دیار عشق میں تنہا رہا نہ ھرگز   خوشی نے ہاتھ جو چھوڑا تو غم نے تھام لیا ✓

تپ فرقت سے اک قطرہ بھی تو خون کا نہ تھا تن میں
مرے قاتل پہ یارب حشر میں کیوں خون کا دعویٰ ہو

بدل کر آنکھ ارمانوں کی دنیا ہی مٹا ڈالی
بنائے زندگانی ایک جنبش میں ہلا ڈالی

✓ ان سے اظہارِ مدعا نہ کیا
کیا کیا میں نے ہائے کیا نہ کیا

قطعۂ عیدُ الفطر

جمالِ یار کی جس آئینہ میں دید نہیں
تہی خوشی سے ہو جو دن وہ دن سعید نہیں
شبِ فراق کی تاریکیاں ہوں جس میں نہاں
وہ روز، قیامت ہے، روزِ عید نہیں

مخمسہ بر غزل حافظ شیرازی

غبار راہ وفا کا تو شہسوار انند غریق چاہِ زنخدانت گلعذار انند
اسیر دام تو اے گل ہمہ نگار انند غلام نرگس مست تو تاجدار انند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند
نحیف و زار ہوں ناطاقتی مری دشمن بشکل دوست ہزاروں ہیں راہ میں رہزن
نہ ایسا ہو کہ پھروں خاک چھانتا بن بن تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہمرہاں سوار انند
کہوں میں تجھ سے جو باور ہو تجھ کو میرا سخن تلاش حق میں نہ زاہد دکھائیگا کچھ گُن
کہے کو مان مرے اس کی بات کو مت سُن بیا بہ میکدہ و چہرہ ارغوانی کُن
مرد بہ صومعہ کانجا سیاہ کار انند

یار آمد پئے قتل من و شمشیر بکف
شاہ بازے عجبی بین و شکارے عجبے

ایں عجب بیں کہ مرا عشق دہد ہجراں را
گرچہ خود داشت نہاں وصل و بہارے عجبے

ہمہ آفاق نظر کرد برائے تمثیل
کس نہ دیدم بجہاں چوں تو نگارے عجبے

برقؔ تخلص ۔ بشیر النساء بیگم نام[1]

نواب محمد عمر خاں وفا کی بیٹی۔ حیدرآباد، دکن کی رہنے والی۔ عہد جوانی میں ہی انتقال ہوگیا۔ عہد جدید کی شاعرہ ہیں۔ سنہ ۱۹۳۸ء کے سخنورانِ دکن میں مرحوم کا ذکر ہے۔

ہم ترے بندے ہمارا تو خداوند کریم
دست قدرت میں ترے دونوں جہاں کی تنظیم

بن ترے حکم کے پتہ نہیں ہلتا ہرگز
اذن سے تیرے ہی چلتی ہے زمانہ میں نسیم

تجھ سے پوشیدہ نہیں راز کسی کا کوئی
کہ تری ذات ہے اسرار نہانی کی علیم

کر دیئے برقِ تجلی نے مگر حوصلے پست
تم کو واللہ بڑی دور کی سوجھی تھی کلیم

---

[1] سخنورانِ دکن۔ عہد عثمانی کے اردو شعرا کا تذکرہ

بلقیس بیگم نام تخلّص بلقیس و پنہاں

شادی کے چند سال بعد بیوہ ہوگئیں۔ حسن رضا خاں رسالدار کی بیٹی ساری عمر بیوگی میں گزار دی۔ رام پور میں محلّہ املی جھولے والی میں مکان ہے۔

آنکھوں سے کبھی کوچۂ جاناں نہیں دیکھا
بلبل ہوں مگر صحن گلستاں نہیں دیکھا

کہتے ہیں وہ پردے سے چھپا کر رخ روشن
دیکھو یہ چراغ تہِ داماں نہیں دیکھا

یہی اک مشغلہ شام و سحر ہے
تصور ہے ترا اور چشم تر ہے

اسے ذکرِ بہار و باغ سے کیا
قفس کو جو سمجھتا ہو کہ گھر ہے

شبِ فرقت ہے اپنی کیسی پنہاں
کہ جس کی شام محروم سحر ہے

قاصد تو خط کو لایا ہے کیونکر کھلا ہوا
خط ہے کہ ہے یہ میرا مقدر کھلا ہوا

پڑتے ہی اک نظر ہوا زخمی دل و جگر
قاتل تری نظر ہے کہ خنجر کھلا ہوا
قاصد سے کیا کہوں میں لکھوں خط میں انکو کیا
پنہاں کے دل کا حال ہے ان پر کھلا ہوا

✓ آتا ہے کوئی لطف کا ساماں لیے ہوئے
ہشیار اے خیال پریشاں لیے ہوئے
اس سے نہ اضطرابِ محبت کو پوچھیے
جو جی رہا ہو درد کا احساں لئے ہوئے
بے چین کروٹوں سے یہ ظاہر ہے صاف صاف
پنہاں سی دل میں ہے غم پنہاں لیے ہوئے

✓ ماتم کدہ بنا ہے گلستاں ترے بغیر
ہر گل ہوا ہے چاک گریباں ترے بغیر
لمحاتِ پرسکون کہاں اور میں کہاں
بکھرا پڑا ہے ہوش کا ساماں ترے بغیر

پنہاںؔ سپہر آرا خاتون

مولوی عبدالاحد خاں صاحب۔ سررشتہ دارِ تعلیم کی بیٹی۔ متوطن بریلی۔ نظم و نثر دونوں میں مہارت۔ فارسی میں بھی کہتی ہیں ؎

سینہ ہے ایک یاس کا صحرا لیے ہوئے دل رنگِ گلستانِ تمنا لئے ہوئے
ہے آہ درد و سوز کی دنیا لیے ہوئے طوفانِ اشکِ خوں ہے گریا لئے ہوئے
اک کشتۂ فراق کی تربت پہ نوحہ گر داغِ جگر میں شمعِ تمنا لئے ہوئے
میں اک طرف ہوں شکلِ خزاں پائمالِ یاس اک سمت وہ بہار کا جلوہ لئے ہوئے
جانا سنبھل کے اے دلِ بیتاب بزم میں ہے چشمِ ناز نشترِ غمزا لئے ہوئے
سوزاں نہ یہ چمن ہو مرے نورِ آہ سے اک گلشنِ جمال کا جلوہ لئے ہوئے
مجنوں سے تو حقیقتِ صحرائے نجد پوچھ ہے ذرہ ذرہ جلوۂ لیلیٰ لئے ہوئے
عشقِ جنوں نواز چلا بزمِ ناز میں اک اضطراب و شوق کی دنیا لئے ہوئے
میری تو ہر نگاہ ہے وقفِ عبودیت وہ ہر ادا میں حسنِ کلیسا لئے ہوئے

مرہم سے بے نیاز ہے پنہاںؔ یہ زخمِ دل
کیا کیا فسوں ہے چشمِ دل آرا لئے ہوئے

---

[1] تذکرہ خواتین

اے اجل کیوں تو نے لوٹے میرے اسبابِ نشاط
ابر غم سے ہو گیا ہے بے نور مہتابِ نشاط
آ نہیں سکتا پھر اب وہ وقت اے پنہاں کبھی
صبحدم بستر سے میں اٹھتی ہوں با صد خرمی
پڑھ رہے ہیں تخت پر وہ میرے ابا جاں نماز
اے جبین نور افشاں سے ٹپکتا ہے نیاز
رابعہ صدقے گئی یہ بند آنکھیں کھولئے
آہ ان معجز نما ہونٹوں سے کچھ تو بولئے
ہائے سینہ سے لگا لیجئے ہمیں پھر ایکبار
ہو رہے ہیں دیکھئے ہم لوگ کتنے بے قرار
اے اجل تجھکو مبارک ہوں یہ ظلم آرائیاں
لوٹ لے دل کھول کر ظالم یہ گلزار جہاں
میری بربادی میں مضمر تیرا رازِ زندگی
سوز ہے مظلوم کا ظالم کا ساز زندگی
آہ ہو جائے شکستہ کاش یہ تار نفس
ہو کہیں آزاد یہ مرغ گرفتار قفس
کر دے اے بادِ اجل گل اب مری شمع حیات
میری روزِ زندگی کی کاش اب ہو جائے رات

ایک فارسی غزل کے اشعار نقل کیے جاتے ہیں جس میں امیر خسرو کی زمیں میں طبع آزمائی کی ہے ؎

جمالش زینت دل بود شب جائیکہ من بودم
بچشم دہر باطل بود شب جائیکہ من بودم
زفیض جنبش ابروئے آں شوخ کماں سازی
دل من نیم بسمل بود شب جائیکہ من بودم
نگاہِ برتجلائے رخ آئینہ رخسارے
سرم برپائے قاتل بود شب جائیکہ من بودم
بپرس از رہروِ کامل طریق عشق والفت را
سرِ تلوار منزل بود شب جائیکہ من بودم
خودش را من ندانستم چہ دانم صدرا صوفی
گلِ صدبرگ محفل بود شب جائیکہ من بودم
دلم پرداخت یا یاد جمال دوست داد یامن
وجود غیر باطل بود شب جائیکہ من بودم
چساں دل محو میماند زبادم کیف دوشینہ
دلم نخچیر قاتل بود شب جائیکہ من بودم
زفیض نرگس مستانِ ساقی شد بپا محشر
جہانِ بے جزدل بود شب جائیکہ من بودم
خط رنگیں کہ بر پیشانی بسمل کشیدہ تیغ
نشانِ عشق کامل بود شب جائیکہ من بودم
خم زلفِ نگارے کرد پنہاں طرفہ اعجازے
خیالم در سلاسل بود شب جائیکہ من بودم

اپنے والد بزرگوار کی موت سے متاثر ہو کر یہ نظم کہی۔

آہ وہ ایام عشرت ہائے وہ لیل و نہار
واپس آسکتے نہیں اس زندگی میں زینہار
نالے آتش ریز آہیں خون میں ڈوبی ہوئی
آنکھ غم آگیں نگاہیں خون میں ڈوبی ہوئی
سوزش پنہاں سے پڑتے ہیں زباں میں آبلے
ہونٹ تھر تھر کانپتے ہیں گفتگو کرتے ہوئے
کیا خبر تھی اس طرح لٹ جائیگا یہ کارواں
کیا خبر تھی درپۓ آزار ہوگا آسماں

تذکرۂ شاعرات پاکستان میں بھی ایک شعر نقل کیا گیا ہے

دیدنی ہے ترے عتاب کا رنگ
شیشۂ چشم میں شراب کا رنگ

تسنیم - جمیلہ خاتون

ابرار حسین خاں صاحب۔ اثر ملیح آبادی کی بیٹی۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ اعجاز احمد خاں صاحب سے شادی ہوئی تھی۔ کئی سال ہوئے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ شعر و شاعری ورثہ میں ملی۔ باپ بھی اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ شاعرانہ ماحول تھا۔ جوش ملیح آبادی کی حقیقی بھانجی اور بشیر احمد خاں صاحب بشیر ملیح آبادی کی نواسی ہیں۔ فکر اعلیٰ اور طرز ادا دلکش ہے ؎

زندگی کو ایک بحر بیکراں پاتی ہوں میں
ان کے ہاتھوں مٹ کے عمر جاوداں پاتی ہوں میں

خود بخود دل ہو گیا دونوں جہاں سے بے نیاز
اب زمیں عشق گویا آسماں پاتی ہوں میں

چھٹ پھٹے سے دل بجھا رہتا ہے تیری یاد میں
چاندنی راتوں میں اشکوں کو رواں پاتی ہوں میں
سیکڑوں سجدے تڑپتے ہیں جبین شوق میں
اے حقیقت تیرا نقش پا کہاں پاتی ہوں میں

اب بھی آنسو بہہ نکلتے ہیں کسی کی یاد میں
عندلیب زار کو جب نوحہ خواں پاتی ہوں میں

اپنا اے تسنیمؔ اس دنیا سے گھبراتا ہے دل
یاں کی ہر شے کو فقط وہم و گماں پاتی ہوں میں

دنیا کی کشاکش میں پھنسکر دل غم سے بچانا پڑتا ہے
مرجھائی ہوئی کلیوں کو یہاں ہنس ہنس کے کھلانا پڑتا ہے

یوں اپنی تمنا مضطر ہے یوں اپنی محبت ویراں ہے
کانٹے سے بچھے ہیں ہر جانب پلکوں سے اٹھانا پڑتا ہے

کیا عالم ہے ہوش میں بھی وا اہل نظر کی نظریں ہیں
محفل میں کسی کے دامن سے دامن کو بچانا پڑتا ہے

جب چاندنی شب میں یاد کسی ظالم کی نہیں جینے دیتی
پھر راز محبت گھبرا کر تاروں سے بتانا پڑتا ہے

یوں درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں یوں صبر کا داماں چھٹتا ہے
ماضی کا فسانہ پھر دل سے ڈر ڈر کے بھلانا پڑتا ہے

کس طنز سے وہ فرماتے ہیں کیا سہل ہے الفت کی منزل
یاں جان گنوانی پڑتی ہے یاں اشک بہانا پڑتا ہے

منجدھار میں اپنے ہاتھوں سے تسنیم ڈبو کر آہ یہاں
ناکام محبت کشتی کو پھر پار لگانا پڑتا ہے

سن عندلیب چمن سوگوار ہم بھی ہیں
کسی کے تیرِ نظر کا شکار ہم بھی ہیں
نظر پھرا کے پلاتے ہو ہر طرف ساغر
نگاہِ مست کے اک بادہ خوار ہم بھی ہیں
وہ آکے محفلِ رنداں میں ہیں جو دوش بدوش
تو آج بزم میں دیوانہ وار ہم بھی ہیں
وہ مثلِ غنچہ جو مہکے ہوئے ہیں پہلو میں
خدا کا شکر کہ رنگِ بہار ہم بھی ہیں
بتائیں کیا تمھیں تسنیم راز مخفی ہے
کسی کی کاکل و رخ پہ نثار ہم بھی ہیں

دلِ افسردہ کیوں کمہلا رہا ہے
ٹھہر جا کوئی شاید آ رہا ہے
تیرے پہلو میں یہ ہم کو ملا ہے
ہمارا درد بڑھتا جا رہا ہے

نہ مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ ساقی
دل...... ناداں کہاں ٹکرا رہا ہے

ہم اب ٹھکرا چکے ہیں دونوں عالم
ہمیں تو کس لئے ٹھکرا رہا ہے

یہاں تاریک ہے سارا زمانہ
مری نظروں سے کیوں کترا رہا ہے

مرے اشکوں سے تاروں میں ہے ہلچل
سہانی شب ہے کوئی جا رہا ہے

خدا جانے وہ آئیں یا نہ آئیں
بہت تسنیم دل گھبرا رہا ہے

دل مضطر تری فرقت میں بہلایا نہیں جاتا
کسی پہلو سے یہ نادان سمجھایا نہیں جاتا

نمک پاشی مرے زخموں پہ یہ کہہ کہہ کے کرتے ہیں
ذرا سی بات میں یوں اشک بھر لایا نہیں جاتا

ڈراتا کیوں ہے اے ناصح محبت کی کٹن کتی سے
پھنسا کر دل کو اس کوچے سے کترایا نہیں جاتا

مری زلفیں ہٹا کر رخ سے وہ کہتے ہیں ہنس ہنس کر
اندھیری رات ہے' ایسے میں شرمایا نہیں جاتا

غم و آلام نے اس درجہ ہم کو کر دیا گھائل
خود اپنی داستاں کو ہم سے دہرایا نہیں جاتا

بڑی اس بیکسی کی منزلیں پرہول ہوتی ہیں
کسی نے جب کوئی تسنیم اپنایا نہیں جاتا

وہ اضطراب شب انتظار ہوتا ہے
کہ ماہتاب کلیجہ کے پار ہوتا ہے
فسردہ آپ نہ ہوں دیکھ کر مرا داماں
یہ بدنصیب یونہیں تار تار ہوتا ہے
نہیں کچھ اور محبت کی چوٹ ہے ہمدم
یہ درد دل میں کہیں بار بار ہوتا ہے
تری تلاش سے غافل نہیں ترا وحشی
زوالِ ہوش میں بھی ہوشیار رہتا ہے
ہو ان کا وعدۂ فردا غلط سہی لیکن
میں کیا کروں کہ مجھے اعتبار ہوتا ہے

نظر ملا کے نظر سے گرا دیا تم نے
مجھے بتاؤ خدارا یہ کیا کیا تم نے

مجھی پہ وار کیا اور مجھی کو بھول گئے
مری وفا کا یہ اچھا صلہ دیا تم نے
نہ اپنے طرز ستم پر نگاہ کی تم نے
ہماری بات کو اتنا بڑھا دیا تم نے

تم آ کے کیا تبسم ہوئے لحد پہ مری
چراغِ گورِ غریباں جلا دیا تم نے

ہمیں تو ہوش نہیں تم کو علم ہوگا ضرور
کہ کس قصور پہ دل سے بھلا دیا تم نے

کسی کے جورِ ستم تسنیم یہ فسانہ ہے
کہ جس کو نظم بنا کر سنا دیا تم نے

جب ہماری زندگی کا ختم افسانہ ہوا
اس گھڑی صد حیف ان کا خیر سے آنا ہوا

آپ تو ہنستے رہے ہم رو کے رسوا ہو گئے
شمع تو جلتی رہی پامال پروانہ ہوا

میری بربادی کے چرچے سن کے کس کس ناز سے
پوچھتے ہیں مسکرا کر کون دیوانہ ہوا

دہر میں اب مسکرانے کی ہمیں فرصت نہیں
دل ہجومِ غم بنا غم آہ افسانہ ہوا

تو نہ ہوتا تو زمیں و آسماں کچھ بھی نہ تھا
تیرے قدموں کی بدولت میرا کاشانہ ہوا

اے کرم فرما! تجھے ہو علم اس کا یا نہ ہو
کون تجھ میں کھو کے اور پھر خود سے بیگانہ ہوا

ہم ہی اک تنہا نہیں تسنیم مستانے ہوئے
ان کی نظریں کیا اٹھیں ہر فرد مستانہ ہوا

جلد آجا کہ بے قرار ہوں میں
تیری فرقت میں سوگوار ہوں میں
رات گن گن کے تارے کٹتی ہے
صبح غم کے کنارے کٹتی ہے
زندگی غم کے دھارے کٹتی ہے
کیا پتہ کس سہارے کٹتی ہے
جلد آجا کہ بے قرار ہوں میں
تیری فرقت میں سوگوار ہوں میں
تیری آواز دل نشیں کی صدا
ہے مرے واسطے حیات بقا
نیچی نظروں کی وہ حسین ادا
جس پہ دونوں جہاں کا حسن فدا
جلد آجا کہ بے قرار ہوں میں
تیری فرقت میں سوگوار ہوں میں
دل نے ہم کو بھلا دیا ہوگا
گر کوئی مشغلہ ملا ہوگا
یہ نہ سوچو گے پھر کیا ہوا ہوگا
کس کے جینے کا فیصلہ ہوگا
جلد آجا کہ بے قرار ہوں میں
تیری فرقت میں سوگوار ہوں میں

کیا کبھی میرے گھر بھی آؤ گے
آ کے سب رنج و غم بھلاؤ گے
اپنے سینے سے پھر لگاؤ گے
مسکرا کے مجھے ہنساؤ گے
جلد آ جا کہ بے قرار ہوں میں
تیری فرقت میں سوگوار ہوں میں
آہ جب گھر کے ابر آتا ہے
کتنا دکھ اپنے ساتھ لاتا ہے
یاد ماضی ہمیں دلاتا ہے
پھر تو پہروں نہ چین آتا ہے
جلد آ جا کہ بے قرار ہوں میں
تیری فرقت میں سوگوار ہوں میں
جب گھٹا گھر کے شب کو آتی ہے
ایک قیامت سی دل پہ ڈھاتی ہے
خود برستی ہے مسکراتی ہے
اور ہمیں رات بھر رلاتی ہے
جلد آ جا کہ بے قرار ہوں میں
تیری فرقت میں سوگوار ہوں میں

ساون کا مہینہ بھی ہے ٹھنڈی ہیں ہوائیں
اے بادِ صبا ان سے یہ کہنا کہ پھر آئیں
آنسو تری فرقت میں بہائے نہیں جاتے
غم اب دلِ مضطر سے اٹھائے نہیں جاتے
گذرے ہوئے حالات مٹائے نہیں جاتے
میں لاکھ بھلاتی ہوں بھلائے نہیں جاتے
ساون کا مہینہ بھی ہے ٹھنڈی ہیں ہوائیں
وہ چاندنی راتوں میں ترا نیم تبسم
ہر شے سے صدا دیتا تھا ہلکا سا ترنم
پھر پیار کے آغوش میں کھو جاتے تھے ہم تم
چھپ جاتے تھے شرما کے فلک پر مہ و انجم
ساون کا مہینہ بھی ہے ٹھنڈی ہیں ہوائیں
یوں پہلی ملاقات میں نظروں کو اٹھایا
سرکار نے دل چھین کے نظروں کو جھکایا
میں کہتی تھی یہ کیسی پڑی مجھ پہ خدایا
مجھ کو مری تقدیر نے کیا رنگ دکھایا
ساون کا مہینہ بھی ہے ٹھنڈی ہیں ہوائیں
کب تک کہ جلائے ترے وعدہ کا سہارا
ہے ڈوبنے والا مری ہستی کا ستارا
کیوں کر لیا تو نے مری جانب سے کنارا
اتنا تو بتا جا کسی دن آ کے خدارا
ساون کا مہینہ بھی ہے ٹھنڈی ہیں ہوائیں

ہیں ان کی نوازش میں بھی سو قہر کے پہلو
ہر طور قیامت ہے تو ہر بات ہے جادو
ہنسنے میں بھی بل کھاتے ہیں اس شوخ کے ابرو
تسنیم خود ہی اپنی نگہبان رہے تو

ساون کا مہینہ بھی ہے ٹھنڈی ہیں ہوائیں
اے بادِ صبا ان سے یہ کہنا کہ پھر آئیں

حجابؔ انوری جہاں بیگم

والد عنایت اللہ خاں صاحب۔

محلہ دیوان چوگ راج۔ شاہجہان پور۔

آڑے سے پڑھتی تھیں۔ نو برس کی عمر تک سکندر نامہ اور فارسی کی دوسری کتابیں پڑھ چکی تھیں کہ چیچک نے حملہ کیا اور بینائی سے محروم ہو گئیں۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد خواب دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ انوری — تو سو رہی ہے اور سمجھتی ہے کہ تیری بصیرت جا چکی ہے اُٹھ تیرا دل روشن ہو چکا ہے۔ آنکھ کھلی تو ہر طرف نور ہی نُور ہے اور سارا کمرہ خوشبو سے مہک رہا ہے۔

حجابؔ صاحبہ نے رونا شروع کر دیا۔ ماں کی آنکھ کھلی تو پوچھا انوری کیوں رو رہی ہے محترمہ نے ساری بات بتائی تو ماں نے تسلی دی اور کہا روتی کیوں ہے تیری قسمت جاگ چکی ہے؟

بس اسی کے بعد سے شعر کہنا شروع کر دیئے۔ اس وقت جو نعتیہ اشعار برجستہ زبان پر آئے تھے ہمیں مل نہ سکے۔ ان کا زیادہ تر کلام دوسروں نے ہتھیا لیا ؎

محیطِ رحمت سے جوش افزا ہوئی ہے ابرِ سخا کی آمد
خدا کی ہر چیز کہہ رہی ہے کہ اب ہے نورِ خدا کی آمد

فلک کو ہے آرزو کہ جھک کر میں اپنے تارے کروں نچھاور
ہوئی ہے مکہ کی سرزمیں پر یہ آج کس ماہ لقا کی آمد

ہر اک محب پہ یہ فضل رب ہے اثر کو نالوں کی خود طلب ہے
مگر اس الطاف کا سبب ہے حبیب رب العلا کی آمد
حجاب پیہم یہ کہہ رہا ہے گناہگاروں سے جوش رحمت
مبارک اے عاصیو مبارک شفیع روز جزا کی آمد

مکے کے آفتاب مدینہ کے ماہ نے   زخموں کو چاند داغوں کو سورج بنا دیا
جاتی رہے گی بسملِ احمد کی آن بان   اے دل کے زخم تو جو کہیں مسکرا دیا

عشق پروانہ نہیں محتاج تحریکِ جمال
جلنے والا جل بجھے گا شمع سوزاں دیکھ کر

اے معاذ اللہ وحشی اور سلامت پیرہن
شرم دامنگیر ہوتی ہے گریباں دیکھ کر

دستِ وحشت بھی بڑھا ہے اور طول شب بھی ختم
ایک وقت اب چاک ہوں گے دو گریباں دیکھئے

بہار میں ترے دیوانگان گیسو کا   گواہ جوش جنوں بال بال ہوتا ہے

نہیں حاصل فراغ افزائش غم سے نہیں حاصل
نہیں ہوتی حجاب اس کی محبت کم نہیں ہوئی

رام پور سے کئی بار مشاعروں میں شرکت کے لیے دعوت نامے آئے لیکن شاہجہاں پور میں لوگوں نے ڈرا دیا کہ وہاں جا کر واپسی مشکل ہے وہاں آپ قید کر لی جائیں گی ایسے موقع پر یہ شعر کہا ؎

اسیر دام ہوس لاکھ ہو مرا صیاد
مرا قدم بھی تو نکلے جب آشیانے سے

اب اے مے کش نواز اس مے کا اک پیمانہ مل جائے
کہ مستانِ مئے عرفان میں یہ مستانہ مل جائے

لے تم تو چل دیئے سینہ کو چھلنی کر کے تیروں سے
دکھائیں کس کو دل کا خانۂ زنبور ہو جانا
انا الحق لفظ حق تھا ہاں مگر چڑھوا کے سولی پر
دکھایا عشق نے منصور کا منصور ہو جانا

سنہ ۱۹۰۹ء میں سندیلہ میں ہونے والے اور اس کے بعد کے مشاعروں میں محترمہ حجاب برابر شریک ہوتیں اور پس پردہ رہ کر اپنی غزلیں سنایا کرتیں بعض ان مشاعروں کی غزلوں کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے ؎

✓ کہاں ممکن ہے پوشیدہ غم دل کا اثر ہونا
لبوں کا خشک ہو جانا بھی ہے آنکھوں کا تر ہونا
غضب مل کر جدا مجھ سے ترا، او فتنہ گر ہونا
ستم، نالوں کا پر تاثیر ہو کر بے اثر ہونا

جگر میں درد لب پر نالۂ وحشت اثر ہونا
عیاں کرتا ہے اک رشک پری کا دل میں گھر ہونا

غضب نالہ کشی اک صاحب عصمت کے کوچہ میں
ستم اے دل کسی پردہ نشیں کا پردہ در ہونا

وہ ان کا چپکے چپکے مسکرانا، خون رونے پر
وہ میرا دل ہی دل میں واصف رنگ اثر ہونا

جو تنہا پاس منزل دل کو شایاں ہے محبت میں !
تو آنکھوں کو ہے لازم دیدۂ حسرت نگر ہونا

قیامت تھا، ستم تھا، قہر تھا، خلوت میں او ظالم
وہ شرما کر ترا میری بغل میں جلوہ گر ہونا

ستم کی، جور کی، بیداد کی کافی شہادت ہے
جدائی میں مرا بیتاب، بے خود، بے خبر ہونا

وہ مقتل میں اگر کھینچے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں
تو ہم بھی جان دینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں

درِ پیر مغاں پر اس طرح میخوار بیٹھے ہیں
کہ کچھ مخمور بیٹھے ہیں تو کچھ سرشار بیٹھے ہیں

اگر وہ گالیاں دینے پر آمادہ ہیں خلوت میں
تو ہم بھی عرضِ مطلب کے لیے تیار بیٹھے ہیں

گلا میں کاٹ لوں خود اک اشارہ ہو جو ابرو کا
وہ کیوں میرے لیے کھینچے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں

سہارا جب دیا ہے مجھے امید وصل نے آ کر
تو اُٹھ کر بسترِ غم سے ترے بیمار بیٹھے ہیں
حجاب ان سے وہ میرا پوچھنا سر رکھ کے قدموں پر
سبب کیا ہے؟ جو یوں مجھ سے خفا سرکار بیٹھے ہیں

*

مزہ دیتا ہے یاد آ کر ترا بسمل بنا دینا
لگا دینا ذرا تیرِ نظر ہاں پھر لگا دینا
وہ میرا بے خودی میں اسکے منھ سے منھ ملا دینا
قیامت ایک چپ کا پھر وہ دونوں کو سزا دینا
ادائے شرم ہو خلوت میں یا انداز شوخی کے
ترے ہر ناز پر ہم کو تو جاں اے دلربا دینا
ہمارا آرزوے بوسہ کرنا تجھ سے در پردہ
ترا دشنام دینا اور کیا کیا برملا دینا
سفارش ہمدموں کی، ان کا جاتے وقت یہ کہنا
کہ جب تڑپے مری تصویر سینے سے لگا دینا
نہ ہونے پائے واقف لذّتِ تعزیر سے دشمن
خطا ہر چند ہو اس کی مگر ہم کو سزا دینا
ادھر اس لب سے نکلا شوخ چتون کو نہ دینا دل
ادھر چشمِ سخنگو نے اشاروں میں کہا دینا
لبوں سے لب ملا لیں وصل میں سینے سے یا سینہ
مگر ممکن نہیں اس بت کے دل سے دل ملا دینا

اگر عہد وفا سے تو بھی پھر جائے محبت میں
حجاب اس شوخ کو معلوم ہو جائے دغا دینا

کھینچ کر تلوار جب ترکِ ستمگر رہ گیا
ہائے رے شوقِ شہادت میں تڑپ کر رہ گیا
ملتے ملتے رہ گئی آنکھ اس کی چشمِ مست سے
ہوتے ہوتے لب بلب ساغر سے ساغر رہ گیا
آپ ہی سے بے خبر کوئی رہا وعدہ کی شب
کیا خبر کس کی بغل میں کب وہ دلبر رہ گیا
لے لیا میں نے کنارہ شوق میں یوں دفعتاً
شوخیاں بھولا وہ خلوت میں جھجک کر رہ گیا
مجھ سے قاتل کہہ دیا تھا دل کا یہ ارمان ہے
دیکھ لے آخر مرے سینہ میں خنجر رہ گیا
مدتوں سے سینۂ بسمل ہے جب قاتل کا گھر
کیا ہوا دل میں اگر آج اس کا خنجر رہ گیا
چل دیے ہوش و خرد تو میکشوں کے چل دیے
رہ گیا ہاں میکدے میں دورِ ساغر رہ گیا
سخت خجلت ہو گی دیکھا اے شوقِ عریانی مجھے
آج اگر اک تار بھی باقی بدن پر رہ گیا
کون کہتا ہے مکانِ غیر پر تم کیوں رہ گئے
عرض تو یہ ہے کہ رستے میں مرا گھر رہ گیا

پارسائی شیخ صاحب کی دھری رہ جائیگی
دست ساقی میں اگر دم بھر بھی ساغر رہ گیا

جس کے آنے کی خوشی میں کل سے وارفتہ تھے تم
آج بھی آتے ہی آتے وہ ستمگر رہ گیا

* * *

سارے کشتوں سے جدا ڈھنگ اضطراب دل کا ہے
کیوں نہ ہو بسمل بھی تو کس چلبلے قاتل کا ہے
چھپ نہیں سکتا وہ خون اپنے دل بسمل کا ہے
مٹ نہیں سکتا جو دھبہ دامن قاتل کا ہے
امتحاں مدِ نظر کس منچلے بسمل کا ہے
معرکہ آرا جو یوں ہر ناز اس قاتل کا ہے
بے اجازت اٹھ کے سینہ سے لگائے آپ کو
حوصلہ اتنا بھی اک ارمان والے دل کا ہے
آپکو یاد آگئیں ہیں کس کی بزم آرائیاں
حضرت دل کہیے تو قصد آج کس محفل کا ہے
اس طرف مچلا ہوا ہے وصل میں وہ چلبلا
اس طرف جوش اضطراب آرزوئے دل کا ہے
وصل کی شب خون کرنا آرزوئے وصل کا
او تمناؤں کے دشمن کام یہ قاتل کا ہے

معرکہ آرائیاں ہیں آج حسن و عشق کی
سامنا اس جلوہ گہ میں دلربا سے دل کا ہے
اپنے آدھی رات کو آنے کا باعث کیوں بنے
وہ کہیں قائل بھی جذب الفت کامل کا ہے
موت آئی ہے مجھے او بحرِ خوبی وصل میں
میرا بیڑا ڈوبنے والا لبِ ساحل کا ہے
سینہ سے سینہ ملا دینا تو کچھ مشکل نہیں
یار مشکل تو ترے دل سے ملانا دل کا ہے
شوخی قاتل میں ہے بسمل کا رنگ اضطراب
رنگ بسمل کی تڑپ میں شوخیٔ قاتل کا ہے

آنا بھی آنے والے کا افسانہ ہو گیا
دشمن کے کہنے سننے سے کیا کیا نہ ہو گیا
کیا فیضیاب صحبت رندانہ ہو گیا
دم بھر میں شیخ ساقیِ میخانہ ہو گیا
سنتے ہیں بند پھر درِ میخانہ ہو گیا
دورِ ایاغ و شغلِ مل افسانہ ہو گیا
ملنے کے بعد بیٹھ رہا پھیر کر نگاہ
ظالم یگانہ ہوتے ہی بیگانہ ہو گیا
اپنوں سے بھی زیادہ جو پایا نیاز مند
وہ بے نیاز اور بھی بیگانہ ہو گیا
ناآشنا رہا تو یگانہ بنا رہا
ہوتے ہی آشنا کوئی بیگانہ ہو گیا
مانا کہ مدعی سے کوئی مدعا نہ تھا
پھر کیا سبب تھا ترک جو یارانہ ہو گیا
کس طرح اپنی خانہ خرابی عیاں کرے
وہ دل جو پردے والوں کا کاشانہ ہو گیا
آنے کا وعدہ کر کے وہ ہنستے ہوئے چلے
معلوم ابھی سے لطفِ ندیمانہ ہو گیا
جان اس دلاوری سے ترے منچلے نے دی
مقتل میں شورِ ہمت مردانہ ہو گیا
پھر بھی سوال وصل کا موقع نہیں ملا
سو بار گو کلام کلیمانہ ہو گیا

وہ دل جلا تھا میں کہ تری شمع حسن پر　جل کر نثار صورت پروانہ ہو گیا
مجنوں ... جو بن گیا کسی لیلیٰ ادا کا میں　پھر کیا تھا نجد خود مرا ویرانہ ہو گیا
گیسو بنائے جائیے آپ اپنے شوق سے　ہو جانے دیجئے جو میں دیوانہ ہو گیا

پی لی حجابؔ ہاتھ ہی سے آج میں نے مے
چلو مرا مرے لئے پیمانہ ہو گیا

حیاتی[1]

ہرات کی رہنے والی۔ نور علی شاہ ہراتی کی بیوی تھی۔ لطیفہ گوئی اور حسن و جمال میں مشہور تھی۔

عجب شیریں لبے سیمیں عذارے کردہ ام پیدا
دریں ایام خوشحالم کہ یارے کردہ ام پیدا
بیادِ لعلِ شیریں می‌کنم چوں کوہکن جانے
چو فرہاد از برائے خویش کارے کردہ ام پیدا
زپا افتادم از اندوہ ہجراں چوں کنم یارب
کہ ایں اندوہ از دستِ نگارے کردہ ام پیدا
چو مجنوں می‌نہم رو بر کفِ پایِ سگِ کویش
من دیوانہ نیکو غم گساری کردہ ام پیدا
بیکدم صرفِ راہِ آں بتی بیگانہ دستش کردم
حیاتی آنچہ من در روزگاری کردہ ام پیدا

---

[1] گلشن ناز۔ درگا پرشاد نادر کھتری

حفیظ فاطمہ بریلوی[لہ]

آبائی وطن بجنور، پیدائش بریلی، میں ہوئی۔ دختر عبدالحلیم خاں، شادی چچا کے بیٹے واحد رشیدی سے ہوئی۔ مستقل قیام کراچی میں ہے۔ شعر و ادب کے ماحول میں آنکھ کھولی اصلاح اپنے چچا حکیم مولوی عبدالجلیل خاں سہا منڈاوری سے لی۔ اشعار یہ ہیں۔

رہ عرفاں میں اپنے ہوش کو مائل سمجھتے ہیں
ہوئی جب بیخودی طاری اسے منزل سمجھتے ہیں

وفورِ شوق کو ہے تنگ اقصائے دو عالم بھی
فضائے لامکاں پرواز کے قابل سمجھتے ہیں

بقا ظاہر میں ذراتِ عدم کا اک ہیولیٰ ہے
حقیقت میں فنا کو زیست کا حاصل سمجھتے ہیں

زمانہ کا اثر ہوتا نہیں ہے حال پر اپنے
کہ یکساں حالتِ ماضی و مستقبل سمجھتے ہیں

[لہ] شاعرات پاکستان

آج ساقی کی نگاہوں نے دکھایا اعجاز
خود بخود مے کو ہے گردش مرے پیمانے میں

گفتنی حال سزادار خطا ہائے نصیب
کیسا افسانۂ غم ہے کہ سنائے نہ بنے

خشک لب دل میں خلش آنکھوں میں آنسو ہر دم
درد پیہم کی یہ شدت کہ اٹھائے نہ بنے

خانزادی

کوئی تبریزی کہتا ہے کوئی تربتی۔ کوئی شاعرہ فخرالنسار نسائی کی بہن اور امیر یادگار کی بیٹی بتاتا ہے۔ لیکن تخلص بتا رہا ہے کہ کسی خان کی بیٹی ہے۔

شبے در منزل ما مہماں خواہی شدن یا نہ
انیس خاطر ایں ناتواں خواہی شدن یا نہ

زاہدہ[1] ، زاہدہ خاتون

زاہدہ خاتون نام

ڈاکٹر سر مزمل اللہ خانصاحب شروانی کی بیٹی۔

بھیکم پور ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ تاریخ پیدائش دسمبر ۱۸۹۴ء ہے دس گیارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ ان کا کلام مختلف ناموں سے رسائل و اخبارات میں شائع ہوتا رہا۔ سخن گو خاتون"، "ایک شریف بی بی" اور ز۔ خ۔ ش کے نام سے اکثر و بیشتر کلام شائع ہوا کیا۔ ز۔ خ۔ ش کے نام سے ادبی دنیا میں مرحومہ پہچانی جاتی ہیں۔

مرحومہ نے تاحیات اپنے نام، سکونت اور شخصیت سے دنیا کو روشناس

---

[1] گلشنِ ناز

نہیں ہونے دیا۔ آخر وقت تک گوشۂ گمنامی میں ہی رہیں۔ لیکن ز۔ خ۔ ش کے نام سے انھوں نے دنیائے ادب میں دھوم مچادی۔ کبھی کسی کو اپنا کلام نہیں دکھایا اور نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اپنی خداداد صلاحیت کی بدولت ہی دنیائے ادب میں استادِ سخن بنکر چمکیں۔ خود فرماتی ہیں ؎

بے فیضِ تلمذ ہوئی اُستادِ سخن میں
یہ فخر ہے اِس احقرِ خود ساز سے مختص

مرحومہ نام و نمود سے کوسوں دور تھیں۔ اکثر اشخاص نے ان کے کلام کو کسی مرد کا کلام سمجھا۔

پانچ سال کی عمر میں والدۂ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ والد مرحوم کے زیر سایہ تعلیم و تربیت ہوئی۔ انھیں کی توجہ اور تربیت کا اثر تھا کہ آج مرحومہ دنیائے ادب میں ز۔ خ۔ ش کے نام سے واقف ہے۔ انکی تربیت کے لیے ایک ایرانی معلمہ مقرر تھی۔

جوان کی بھائی موت اور شفقت مادری سے محرومی نے مرحومہ کو بیحد سنجیدہ بنا دیا تھا۔ قومی، ملی، ملکی اور مذہبی درد کے علاوہ طبقہ نسواں کا درد و غم بھی تھا۔

مرحومہ نہایت روشن خیال۔ حریت پسند، پکی مسلمان اور مشرقی اخلاق و اطوار کا نمونہ تھیں۔

ہماری اس عظیم شاعرہ نے اپنے والد ہی کے مکان پر عالمِ دوشیزگی میں ۴ر فروری ۱۹۲۲ء کو رحلت فرمائی۔ اور پٹھان خاندان کی اس نوعمر شاعرہ کو اس کے خاندانی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ "مقاماتِ خیر" سوانح شاہ ہادی کامل ابو الخیر، میں ماہِ مئی ۱۹۲۲ء میں تاریخ وفات درج ہے۔

دو مجموعہ چھپ چکے ہیں۔ "آئینۂ حرم" اور "فردوسِ تخیل"
مگر دونوں میں نہ تو پورا نام ہے اور نہ حالات، مرحومہ نے پسِ پردہ رہ کر ہی یہ علمی و ادبی کارنامہ انجام دیا۔ اسکے علاوہ ردیف وار ایک دیوان مرحومہ نے مرتب کیا تھا جو شائع نہ ہو سکا۔ اردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی شعر کہتی تھیں۔

عربی میں اشعار کا نمونہ۔ (بر فتنۂ الحمرا یے غازی انور پاشا کی مراجعت پر)

حمدنا لخلّاقنا ذی الجَلَالُ　　قَلَّ الجالُ مِنْ شَرِّ اهلِ الضلال
قَتَلْتَ اَلخبیثینَ یَوْمَ القِلَال　　فَاَحْسَنْتَ اهلاً وسهلاً تعال
کجا بودی اے انور خوش خصال　　کجا بودی اے اختر نیک فال
کہ مہ رفتی و آفتاب آمدی

مرحومہ نے اپنے کو شاعرہ کی حیثیت سے ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی پردہ میں رہ کر ہی یہ بتائے بغیر کہ وہ کون ہیں علم و ادب کی خدمت کرتی رہیں کہتی ہیں ؎

پوچھتے ہیں جو مرا حالِ سخن کے نقّاد
صاف گو ہوں سخن آرائی سے مجھکو ہے عناد
نہ میں زیست سے ہوں آگاہ نہ میں زاہدہ ہوں
خود فراموش ہوں اتنا ہے فقط مجھ کو یاد

ز۔خ بھی تخلص تھا۔ چنانچہ کہتی ہیں ؎

سُبحانَكَ یا ذالمجد پڑھے غُفرانَكَ اللّٰھُمَّ کہے
ہر ڈھب سے لب ز۔خ پہ رہے بازِ خدا مذکور

مسلمانوں کی تباہی و بربادی پر محترمہ کا بہت دل دکھتا تھا۔ تعلیم نسواں کی بھی

علمبردار تھیں لیکن اسکو پسند نہ کرتی تھیں کہ عورت اپنے اصل مقام سے گر کر شرم و حیا کو چھوڑ کر بازار کی زینت بنے۔ مرحومہ نے ہر عنوان کے تحت قلم اٹھایا ہے۔ حمد نعت، منقبت بھی کہی ہے اور تضمین بھی۔ ان کے یہاں مناظر قدرت، جذبات نگاری اور قومی و ملی اور اخلاقی شاعری کے نمونے بھی ملتے ہیں۔

اپنے بھائی احمد اللہ خانصاحب حیرآں کی وفات پر نظم

"اللّٰہُ الصَّمَد"

ہاں یہی غمزدہ اک روز تھی بیگانۂ غم — دور تھا سرحدِ تخئیل سے ویرانۂ غم
اس خرابے میں نہ تھی محرمِ میخانۂ غم — لب تک آیا تھا نہ حرفِ لبِ پیمانۂ غم
ذکرِ غم قصّہ کی مانند سُنا کرتی تھی
لفظ افسوس کہ جوں رسم ادا کرتی تھی

کیا بتاؤں میں بس مرگ کہ وہ کیسا تھا — کوئی اس سا نظر آیا تو کہوں ایسا تھا
بس مرے جی ہی کو معلوم ہے وہ جیسا تھا — جیسے اس دہر میں جی سکتے نہیں ویسا تھا
بیں تو میں اسکے لیے روتے ہیں بیگانۂ و غیر
اس مسلماں کا ہیں ماتم کدہ میخانہ و دیر

دین کا پابند بھی تھا طبع آزاد بھی تھا — فخرِ احباب بھی تھا نازشِ اجداد بھی تھا
ہمدم و ہم نفس نزہتؔ ناشاد بھی تھا — بھائی بھی دوست بھی شاگرد بھی استاد بھی تھا
رشتۂ دل ہو یوں رشتۂ خون محکم تر
ایسی الفت کی جہاں میں ہیں مثالیں کم تر

اتفاقاً جو بس ہجر ملا کرتے تھے — پہلے گھنٹوں غمِ فرقت کا گلا کرتے تھے

دیکھنے والے تعجب سے سنا کرتے تھے   ہو کے پھر متفق اللفظ کہا کرتے تھے
ایسی الفت کہیں دیکھی نہ سنی مشفق من
ہم نے ان آنکھوں سے کیا دیکھے نہیں بھائی بہن
موت پر زور نہ جینے کی توانائی ہے   تاب شیون ہے نہ یارائے شکیبائی ہے
باعث وحشت دل گوشۂ تنہائی ہے   شرکت بزم میں دیوانے کی رسوائی ہے
موت آ ہی نہیں چکتی کسی عنوان میری
ہائے اللہ کس آفت میں پھنسی جاں میری

جذباتی شاعری

دل فسردہ کو اب طاقت قرار نہیں   نگاہِ شوق کو اب تابِ انتظار نہیں
نہیں نہیں مجھے برداشت اب "نہیں" کی نہیں   خدا کے واسطے کہنا نہ اب کی بار نہیں
ہمیشہ وعدے کئے اب کے مل ہی جا آ کر   حیات و وعدہ و دنیا کا اعتبار نہیں
دکھاتی اپنی محبت کو چیر کر سینہ   مگر نمود مرا شیوہ و شعار نہیں
مری بہن! مری محبوبہ عجب شے ہے
جہاں میں خاک نہیں کچھ جو دوستدار نہیں

آ دیکھ مجھے

لذتِ دید کا چسکا ہے تو آ دیکھ مجھے   صاحبِ دیدۂ بینا ہے تو آ دیکھ مجھے
میری صورت ہے تماشہ گہہ یاس و امید   گر تجھے شوق تماشا ہے تو آ دیکھ مجھے

سب مری بات پہ کہتے ہیں کہ مختل ہے دماغ   تجھ کو دیوانوں کا سودا ہے تو آ دیکھ مجھے
مجھ سے بھی بر سرِ پیکار رہے قسمت میری   دیکھنا جنگ کا نقشہ ہے تو آ دیکھ مجھے
رابعہ! ہے مرضِ غم سے برا حال مرا   گر مزاج آجکل اچھا ہے تو آ دیکھ مجھے
لوگ پوچھیں گے مری صورت و سیرت تجھ سے   منہ کسی کو جو دکھانا ہے تو آ دیکھ مجھے
دیدنی ہے مری کیفیت ناگفتہ بہ
اس میں گر شبۂ بیجا ہے تو آ دیکھ مجھے

"مُسَدّس"

میں نے مانا کہ خموشی ہے بیاں سے بہتر   لب پیوستہ لب شہد فشاں سے بہتر
صبر ستیوں سے شکیبائی فغاں سے بہتر   دل ہے اسرار کے رہنے کو زباں سے بہتر
پر ہر اک شے کے لیے حد ہے معین لوگو
ضابط درد ہو کب تک جگر زن لوگو

مہد سے تا بلحد ظلم اٹھائے صدیوں   تیر پر تیر دلِ خستہ نے کھائے صدیوں
چپکے چپکے گہر اشک لٹائے صدیوں   قصص حسرت دل، دل کو سنائے صدیوں
ضعف غالب میں گر اس صبر و سکون کا تتمہ
سعی و تفتیش سے مل جائے تو میرا ذمہ

بھائیو! آہ رہے سینہ میں مدفوں کب تک   دل میں گلۂ طالع واژوں کب تک
آستیں سے ہو نہاں دیدۂ پرخوں کب تک   غم کو پوشیدہ رکھے خاطر محزوں کب تک
حال دل کیوں نہ کہیں منہ میں زباں رکھتے ہیں
ہم بھی پہلو میں دل اور جسم میں جاں رکھتے ہیں

میں کہوں کیسے الم دیدہ و ناشاد ہیں ہم   خستۂ جور ہیں ہم کشتۂ بیداد ہیں ہم
تختۂ مشق سناں بازیٔ صیاد ہیں ہم   آدمی کاہے کو پیکر فولاد ہیں ہم
ہائے یہ ظلم کہ بے جرم چلائیں خنجر
اس پہ یہ حکم کہ فریاد نہ آئے لب پر

آتشِ ظلم سے دنیا ہوئی دوزخ ہم پر   پھونک ڈالا تپ دق بنکے غموں نے اکثر
بے اجل مرتے ہیں تہ خانے کے اندر گھٹ کر   ہیں جو تنگی میں منافق کی لحد سے بدتر
ڈاکٹر کہتے ہیں "در کھولو ہوا آنے دو"
سنگدل کہتے ہیں "ہرگز نہیں مرجانے دو"

یاد ایام کو تھا بخت فدائے مسلم   ڈھونڈھتے تھے فلک و ارض رضائے مسلم
دل ہرقل کو ہلاتی تھی ندائے مسلم   تاجِ ایران تھا زیرِ کفِ پائے مسلم
رتبۂ انتم الاعلون تھا اسکے لائق
قول اکملتُ لکم دینکم اس پر صادق

ہم سے خالی نہ تھی یوں انجمن قال اقول   نہ گرایا تھا ہمیں صورت حرفِ معلول
عائشہؓ کے دہن پاک سے جھڑتے تھے جو پھول   آج تک ہیں وہ بہار چمن شرع رسول
عرصۂ جنگ میں بھی ہم نے کیا کار وقیع !
صنف نازک سے نہ تھی خولہ جانباز و شجیع

کون مسلم وہی فرمانبر شاہ انساں   ہاں وہی مصلح اخلاق تباہ انساں
ہاں وہی اوج وہ رایتِ جاہ انساں   ہاں وہی نور وہ بخت سیاہ انساں
ہاں وہی واقفِ عقلیت اسباب و علل
ہاں وہی واصف حریتِ افکار و عمل

مرد و زن مل کے اٹھا سکتے ہیں وہ اثقل بار   کانپ اٹھا جس سے دل ارض و سپہر دوار
مرد و زن ملکے لگا سکتے ہیں وہ کشتی پار   جو خلیج متلاطم میں پڑی ہے بیکار

آؤ وحدت کی امانت کو اٹھائیں مل کر
آؤ اسلام کی کشتی کو بچائیں مل کر

شوق نظارۂ تھیٹر و بازار نہیں   مقصدِ حریت و علم یہ زنہار نہیں
حکم برداریٔ شوہر سے بھی انکار نہیں   بخدا پردہ دری کے بھی روادار نہیں

ہے حیا بادشہ علم کے سر کا افسر
قول مشہور ہے العلم حجاب الاکبر

(علم حجاب عظیم ہے، غزالیؒ)

سدِ راہ ستم فتنہ گراں ہے پردہ   خازن معتمد گنج نہاں ہے پردہ
مظہر شانِ خداوندِ جہاں ہے پردہ   جذبۂ غیرتِ مسلم کا نشاں ہے پردہ

اثر عصر سے محفوظ ہے پردہ کا وجود
دور ہوں اس سے جو نا قابل برداشت قیود

مرد کا رتبہ گھٹانا نہیں ہرگز منظور   زن کو بے شبہ رضا جوئی شوہر ہے ضرور
لیکن اس کو تو فراموش نہ فرمائیں حضور   بطن عورت سے ہوا نور محمدؐ کا ظہور

یہ تنفر یہ حقارت کی نگاہیں کب تک
عرش جنباں ہو خواتین کی آہیں کب تک

کچھ سنانے کیلئے آئی ہوں اے قوم سن لے   کوئی سنتا نہیں تو ہی سخن غم سن لے
میرے آقا! مرے پیغمبر اعظم سن لے   بابی انت و امی شہ عالم سن لے

نکتہ چیں ہے غم دل اُن کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

تو جب اے آمنہ کے نورِ نظر آیا تھا   دہر انوار سے معمورِ نظر آیا تھا
منظرِ قوت جمہور نظر آیا تھا   قیصرِ دل زدہ مقہورِ نظر آیا تھا
پہلے آموختۂ کِبر بھلایا تو نے
پھر سبق عزتِ نسواں کا پڑھایا تو نے

سنگدل بھول چکے ہیں سخنِ استوصوا[1]   نہ قواریر[2] سے ہیں اُن پہ مائل سرِ مو
اِتقوا اللہ[3] سے اب ان کا نہیں خنک لہو   نہ یہ پروا کہ محبِ زنِ مظلوم تھا تو
آہ کیا جوشِ کرم ہے ترے اس فرماں میں
وہی[4] بہتر ہیں جو بہتر ہیں حقِ نسواں میں

طلب العلم فریضہ سے ہیں اگرچہ آگاہ   رکھتے ہیں ایسی احادیث سے دل میں اکراہ
لوٹ دیتے ہیں ورق پھیر کے جلدی سے نگاہ   گر لکھا پاتے ہیں لا تمنعوا[5] اماء اللّٰہ
یاد ایام کہ منکر ہوئے جب کس سے بلالؓ
ان سے پھر بات کی تا روزِ وصال

---

[1] استوصوا بالنساء خیراً (عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو) (حدیث)

[2] رفقاً بالقواریر (شیشوں کو ٹھیس نہ لگاؤ) (حدیث)

[3] اتقوا اللّٰہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامان اللّٰہ (عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو کہ تم نے انھیں خدا کی اماں میں لے رکھا ہے)

[4] خیارکم خیارکم لنسائکم۔ (وہی بہتر ہیں جو عورتوں کے حق میں اچھے ہیں) (حدیث)

[5] لا تمنعوا اماء اللّٰہ من مساجد اللّٰہ۔ (اللہ کی کنیزوں کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو)

پردۂ شرع پر گر غور ہو ٹھنڈے دل سے   پردۂ رسم کا شمہ بھی ملے مشکل سے
تھا شغف گرچہ مجھے حریت کامل سے   مگر اغیار ہیں اس امر میں کچھ جاہل سے
کیا کہوں کس نے تری شرع کو بدنام کیا
ہائے افسوس تری قوم نے یہ کام کیا
یا نبی اپنے لب بستہ کو جنباں کر دے   قم باذنی سے تن عدل کو ذیجاں کر دے
مرد کو زن کے ستانے پہ پشیماں کر دے   یعنی پھر باغیچۂ قوم کو خنداں کر دے
پھیل جائے چمن دہر میں بوئے اسلام
غنچہ ساں سر بگریباں ہو عدوئے اسلام

(آئینۂ حرم)

معارف ملّیہ

کیا ہوئی اے مرے اسلام وہ شوکت تیری
ہائے کس گوشہ میں روپوش ہے سطوت تیری
اے رسولِ عربی اے شرف افزائے رسل
اب بھی قرباں ہے ترے نام پہ امت تیری
حرز جاں اب بھی ہے قرآن مقدس اپنا
اب بھی محفوظ ہے سینوں میں امانت تیری
آج بھی مرجع آفاق ہے مولد تیرا
آج بھی مرکز دوّار ہے تربت تیری
اے مہِ فیض! یہ اندھیر مٹا سکتی ہے
طرفۃ العین میں اک چشم عنایت تیری

سنہ ۱۹۱۵ء میں صوبہ پنجاب میں لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے شریعت سوز رواج کو قانونی شکل دینے کی تجویز زیر بحث تھی۔ اسی موقع پر محترمہ نے اخبار کے ذریعہ ان خیالات کا اظہار کیا۔

جو حق پرست تھا وہ ہے دنیا پرست آج
مسلم شرابِ حرص و ہوا سے ہے مست آج
روزِ جزا کی فکر دماغوں سے دور ہے
جس طرح دل سے عظمتِ یوم الست آج
اسلام کے وجود میں ہے اختلافِ رائے
ہستی میں ہے مباحثۂ نیست ہست آج
خود کام چاہتے ہیں کہ پائے رواج فتح
شرعِ محمدی کو ہو ان میں شکست آج

رائج ہو زن کو ترکہ نہ ملنے کی رسمِ بد
ہو فیصلہ شریعتِ حقّہ کا مسترد

وَقَائق

خودی کہتی ہے شوق دید جاناں میرے دم سے ہے
ندائے بیخودی ہے رونمائے حسنِ وحدت ہوں
کہا میں نے کہ جنت پر رضائے دوست فائق ہے
رضائے دوست بولی! بے خبر میں ہی تو جنت ہوں
شہادت گاہ الفت میں کھڑی ہوں سر بکف کب سے
نکل اے خنجر قاتل کہ مشتاق زیارت ہوں
کیا مجنوں کو رہبر منتخب صحرائے وحشت کا
مقام شرم ہے اب تک مقیم کوئے حکمت ہوں

(فردوس تخیل)

لذّتِ عرفان

رنگ فطرت ہے وجہ حیرانی   عقل ہے اور حیائے نادانی
رازداں مدعا کو کہتے ہیں   حسن الفت کا داغ پیشانی
حسن باقی نے دل کو کھینچ لیا   رخصت اے حسنِ ہستیٔ فانی
دل ہے وقف رجائے زخم و کرم   جان ہے نذر رضائے ربّانی
اب میں سمجھی کہ ہے فنائے خودی   انبساط بہشت لافانی
غم نہ کر ہے نقیب ابر بہار   خشکیٔ موسم زمستانی

دل صد پارہ کے الم گن لوں دیکھی جائے گی سبحہ گردانی
کرسکے طے نہ ملک عرفاں کو رومی و مغربی و کرمانی
دوری بزم دوست کے غم میں محو افغاں ہے اک افغانی
عرش کے کنگرے پہ طائر قدس رات کرتا تھا یوں خوش الحانی
کہ ہے انساں طلسم شان خدا قدر اپنی نہ اس نے پہچانی
بند کیں اس نے جب ذرا آنکھیں کھل گیا راز بزم امکانی
چارہ روح فلسفی ہے نہ شیخ ایک وہمی ہے ایک خفقانی
شربت ایں و آں میں وحدت دوست گنج نایاب کی فراوانی
شیخ رنج بیاں کا ڈر نہ کرے لا بیاں ہے یہ کیف وجدانی
متشکک ہے اور شکایت ہجر
نزہت اور شکر لطف پنہانی

سلک مروارید

بہ بیکاری دل و جاں! کر اٹھ کے عزم دیار جاناں
تلاش کر وہ متاع درماں جو حصہ ارباب درد کا ہے
پسند کر گوشۂ سلامت یہ تجھکو عارف کی ہے نصیحت
اٹھ اور سلیماں کی ڈھونڈھ شوکت یہ تجھکو طائر کا مشورا ہے
کرامت و کشف خشک کب تک مراد فقر؟ اے رفیع مسلک
بن آب نہر بقا کا گاہک، خضر اگر تیرا آشنا ہے

ہمیشہ خواب و سکوں سے دوری، ہمیشہ پاسِ نفس میں ساعی
یہ اصفیا کی ہے زندگانی یہ زندگانی کا مدعا ہے

برسات اور کسان

آب دریا میں کنول ہے یا چمکتا ہے چراغ
خاک صحرا میں ہیں لالے یا دہکتے ہیں شرار

اس طرف چڑیوں کا گانا اس طرف موروں کا ناچ
نیچے عنبر بیز گل اوپر ہوئے مشکبار

دیکھتے ہی دیکھتے ہستی کا یہ عالم ہوا
جیسے کرے کوئی گرد آگیں حسین غسل اور سنگھار

یا لدی ہے گوہر و گل میں پریٔ سبز فام
اور نشاط حسن سے ہنس ہنس کے گاتی ہے ملہار

فاتحانہ کبر و خاموشی سے ہے نگرانِ خاک
یا بگلوں کی طرف نگراں با انداز وقار

اڑ رہے ہیں جو زمیں کو چھوڑ کر اس کی طرف
مثل فوج شستہ صف اندر صف قطار اندر قطار

بی بی آمنہ کا بستر مرگ

مرا پیارا محمدؐ کہاں ہے لاؤ ذرا   جمال مجھکو مرے لال کا دکھاؤ ذرا
کنارِ شوق میں دل کے قریں بٹھاؤ ذرا   مرے لبوں سے وہ ننھے سے لب ملاؤ ذرا
میں اپنے پیارے کو جی بھر کے پیار تو کر لوں
دمِ وداع ذرا ہم کنار تو کر لوں
مرے تارے! مرے چاند! میرے مہر مبیں   مزار میں بھی نہ بھولے گی مادرِ غمگیں
تری ادائیں، ترا حسن اصبح و نمکیں   یہ تیرے عارض گلگوں یہ تابناک جبیں
یہ چشم مست و سیہ یہ نگاہ دزدیدہ
یہ حلقہ بندی زلفِ دراز و پیچیدہ
ترا یہ جھوٹ سے چڑنا دغا سے گھبرانا   یہ ہم سنوں کو صداقت کا رمز بتلانا
دمِ غضب یہ ترا شانِ حلم دکھلانا   ہنسی کے وقت مسکرا کے رہ جانا
عجیب تیری ادائیں عجیب شانیں ہیں
عرب میں وردِ زباں تیری داستانیں ہیں
چلی ہوں چھوڑ کے گدڑی میں گنج ہفت اقلیم   چلی ہوں چھوڑ کے اک لعل ایک درِ یتیم
نہیں کسی سے کچھ امید ہے تو بیم ہی بیم   کرم کرم مرے معبود! میرے ربِ کریم

ترے کرم سے یہ بچہ اگر جواں ہوگا
یقیں ہے قوتِ اجسامِ ناتواں ہوگا

علامہ شبلی کی وفات پر تاریخ کہی ہے

وفات حضرت شبلی کی زاہدہ تاریخ
کہو غروب ہوا آہ کوکبِ مشرق
۱۹۱۴ء

مسلمانو کہاں تک بے زباں حیواں کی قربانی
در جاں آفریں پر آؤ! کر دیں جاں کی قربانی
مؤقر تھی خلیلِ رب کی قربانیٔ لختِ دل
مگر ہے اور شے شبیرِ با ایماں کی قربانی

قطعات

درد کی ٹیس کبھی رائیگاں جاتی نہیں
آہ کا ہوتا اثر ہے قلب پر وہ ہو بہو
جس طرح آذر صفت اک بت ترا ہوشیار
کاٹ کر پتھر بناتا ہے بتانِ خوبرو

ایک طوفانی ہوا ہے نعرۂ راہِ فنا
گوشِ دل میں اس طرح تیزی سے بھرو میرے
آم کے باغوں میں آندھی کے اثر سے جسطرح
اپنا دامن گاؤں کے لڑکے کریں ام بھریں پر

حسن اصلی معتبر اہلِ نظر کی رائے میں
پھول سے چہرے پہ پوڈر صنعتِ قدرت سے جنگ
دیدنی ہے خواہر من! سحرِ زینت کا اثر
روح بھی اُف ہو گئی ہے خوگرِ قیدِ فرنگ

پھر حلاوت دل سے کر جوشِ عقیدت آشکار　پھر زبانِ مدعا کو نعرۂ تکبیر دے
پھر تمنا کو شریکِ ہمتِ مردانہ کر　پھر تہوّر کو کمالِ جرأتِ شمشیر دے
التجائے سیّدہ سن لے برائے مصطفیٰ
قوم مسلم کو بہارِ عالمِ تقدیر دے

وہ طرزِ اخلاقِ احمدی بھی وہ رسمِ آدابِ ہاشمی بھی
وہ شان ہی ہم سے مٹ گئی ہے ہماری حالت بتا رہی ہے
وہ جنگِ موتہ، وہ جنگِ خیبر، وہ حربِ خالدؓ وہ ضربِ حیدر
وہ تیغِ مسلم کی شانِ جوہر کہ شانِ مسلم بتا رہی ہے
مگر وہ حالت کہاں ہے باقی وہ جاہ و صولت کہاں باقی
وہ تیغِ ہمت کہاں ہے باقی کہ تاب و طاقت ہی کیا رہی ہے

فارسی شاعری

خواہراں! تا چند مہرِ خامشی را نشکنیم   تا کجا بازارِ شکر نشکند تقصیرِ ما
ہاں بفرمائید اکنوں چیست تدبیرِ فلاح   عدل جوید یا نہ جوید فرقۂ دلگیرِ ما
ہمچنیں باشیم در قعرِ مذلت سرنگوں   یا کند جولاں بہ گردوں مرکبِ توقیرِ ما
تارکِ آئینِ شرعِ پاک شد صنفِ رجال   آنکہ ہست از حکمِ ربِ فرماندہ ما میرِ ما
دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما
کامِ غمخواراں برآرد آہ پر تاثیرِ ما   گشتہ گردد دیوِ حرماں عاقبت از تیرِ ما
حاجبِ بابِ اجابت بالیقیں خیزد ز خواب   از دعائے صبح گاہ نالۂ شبگیرِ ما
کرد باید بہرِ حریت جہادِ بے قتال   گر کند گوشِ حریفاں نعرۂ تکبیرِ ما
مایۂ نازِ زناں ست امتثالِ امرِ رب   گرد احمد مدحِ دیں خواہرانِ پیرِ ما
حکمرانِ ما ہلا، شاہِ رسولاں است و بس   آرے آرے! غیرِ او ہرگز نباشد میرِ ما
آنکہ بُد پنہاں بہ قلبش الفتِ جنسِ لطیف   آنکہ بُد پیدا ز قولش عزت و توقیرِ ما
طاعتش اسلامِ ما، عشقِ رخش ایمانِ ما   روتیش فردوسِ ما، خاکِ رہش اکسیرِ ما
ما و دست و دامنِ پیرِ خمستانِ حجاز
نیست یارانِ طریقت غیر ازیں تدبیرِ ما

اَلبلاغُ المُبین

اے قوم! چنداں فارغ و بیکار نبینمت غافل ز کیدِ دشمن عیار نبینمت
خواہم ز شرم چہرہ بپوشم بخاک گور ہرگز شریک محفل اشرار نبینمت
تقلید پیر غرب دریغا شعار تست غافل ز اسوۂ شہ ابرار نبینمت
کج میروی بمنزل مقصود کے رسی باغی ز طوع قافلہ سالار نبینمت
گاہے بدستِ خامہ گہ تیغ بے نیام خواہم بسانِ حیدر کرار ببینمت
گلشن جہاں و تو گل توحید بوئے گل اے گل! بلاکشِ خلشِ خار نبینمت
اے نزہت! اے کہ مخزنِ راز است سینہ ات خواہم زلب ہمیشہ گہر بار ببینمت
حسنے نداشت شعر تو، اِلاّ دل ربود
شاعرانہ فسونگر و سحار نبینمت

نعت ذکر حبیبؐ

لباں عاجز، دہاں قاصر، زباں الکن، بیاں کوتہ
ز وصف ربؐ، ز مدح شہ، ز حمد ایں، ز نعت او

دریں میداں چو من گنگ و خموش و عاجز و حیراں
دو صد رومی، دو صد جامی، دو صد سعدی، دو صد خواجہ

دماغ تو، نگاہ تو، زبان تو سرشت تو
معارف داں، معارف بیں، معارف گو، معارف جو
منور جاں، مطہر جسم، عنبر زلف، شکر لب
مسیحا دم، سلیماں جاہ، یوسف چہر، موسیٰ خو
وفا کیش و، وفادار و، وفا جوئی، وفا پرور
نکو چہرہ، نکو زلف و نکو چشم و نکو ابرو
نگہ جاں بخش و جاں افزا و جاں آسا و جاں پرور
ادا دلبر، عطا دل دہ، حیا دلکش، وفا دلجو
رضا کوش و رضا کیش و خدا بیں و خدا بندہ
نکو رائے و نکو روئے و مبارک جاں مبارک خو
ز عشق تو ز رعب تو ز غیر تو ز جود تو
شرم جوشاں، لبم ساکت، دلم خالی کہ غم مملو
قتیل حسرت و یاد و غم و ہجر ترا باشد
مرض درماں، اجل عیسیٰ، کفن خلعت، لحد مشکو
ز سوزِ آہ و دردِ عشق و رنجِ ہجر و داغِ غم
بدل شور و بسر جوش و بچشم اشک و بلب پرغو
قرار و راحت و آرام و آسایش نمی بینم
نہ بر بستر نہ بر بالش نہ ایں پہلو نہ آں پہلو
نیابم مونس و یار و انیس و دوست می بینم
گہے امین گہے اسیر گہے ایں سو، گہے آں سو

مشو بے درد و رنج و حزن و غم ایدل کہ خوش نبود
تنِ بے جاں، رگ بے خوں، یم بے دُر، گل بے بو
بہائے حسرت و ارماں و افکار و الم مشکن
بہ فریاد و با فغاں و بزاری و بہائے دہو
طبیبا! چارہ ام جز مرگ و درد و زخم دم نبود
مبر خجلت، مکن درماں، منہ مرہم مدہ دارو
شہا مائیم کج رفتار و خوار و زار و بدسیرت
توئی ہادی، توئی شافع، توئی راحم، توئی خوشخو

خیال و فکرت و قلب و دہانِ من ز مدح تو
پر از حورو، پر از نورو، پر از طورو پر از لولو

زاہدہ[لہ] خلیق الزماں

۱۸ر جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ ہوش سنبھالا تو گھر میں علم و ادب کا ماحول پایا۔ محترمہ کے والد حاجی محمد ارتضیٰ خاں صاحب اور چچا حاجی محمد مصطفیٰ خانصاحب (مالک کارخانہ اصغر علی محمد علی) قدیم لکھنوی رنگ کے اچھے کہنے والوں میں تھے۔ ابتدائی تعلیم گرلس اسکول اور اس کے بعد گھر پر ہوئی۔ پہلی غزل شاید گیارہ بارہ سال کی عمر میں کہی اپنے ماموں اسد اللہ خاں اسد لکھنوی سے ایک عرصہ تک اصلاح لیتی رہیں دو ہی تین سال کی مدت میں یو۔پی کے ادبی حلقوں میں ان کے کلام کو مقبولیت حاصل ہوگئی اور ان کی غزلیں اس وقت کے مختلف رسائل میں شائع ہوتی رہیں۔

۲۵ر دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء کو چودھری خلیق الزماں سے شادی ہوگئی۔ ازدواجی زندگی نے ایک زمانہ تک شعر و شاعری سے بے نیاز رکھا۔ اب قدیم طرز سے ہٹ کر مسلسل غزلیں اور نظمیں کہتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے "میں بندۂ محبت ہوں شاعری کو محبت کا عکس اور پرتو سمجھتی ہوں واعظانہ رنگ، خشک فلسفہ اور مابعد الطبیعاتی رنگ مجھے مطلق پسند نہیں۔"

[لہ] تذکرہ شاعرات پاکستان

نمونۂ کلام:

کیونکر کہوں الفت میں بر آتی ہیں امیدیں
جو دل سے نکل جائے وہ ارمان نہیں دیکھا

ارے زاہدہ کیا چھپے راز محبت
کس کس نے ہمنشیں چاک گریباں نہیں دیکھا

عشق میں وجہ گرفتاریٔ دل ہیں آنکھیں
زاہدہ اس میں بھلا میری خطا کون سی ہے

ہاں وہ رسوا نہ ہوا اسواسطے خاموش ہیں ہم
یہ نہ سمجھو کہ ہمیں عادت فریاد نہیں

اک ادائے بے رخی کافی ہے ان کی زاہدہ
ہستیٔ فانی کا شیرازہ بکھرنے کے لیے

لپٹ لپٹ کے ہر اک شے سے اب میں روتی ہوں
کہیں کا رکھا نہ تم نے گلے لگا کے مجھے

شمع بدنام ہوئی خود سے جلا پروانہ
تھی خطا عشق کی اور حسن پہ الزام آیا

شاہجہاں[1] نواب شاہجہاں بیگم

پہلے شیریں تخلص تھا۔ دیوان اوّل اردو اسی تخلص کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اسکے بعد اردو میں تاجور اور فارسی میں شاہجہاں تخلص اختیار کیا۔ سنہ ۱۲۵۴ھ میں قلعہ اسلام نگر میں جو بھوپال سے تھوڑے فاصلہ پر ہے ولادت ہوئی۔ "خورشید اقبال" اور "مشتری قدر" مادۂ ولادت ہے۔ والد ماجد غفراں مآب جہانگیر محمد خانصاحب دولہ اور والدۂ محترمہ نواب سکندر بیگم صاحبہ ہر دو والیٔ بھوپال تھے۔

سنہ ۱۲۸۵ھ کو صدر آرائے ریاست ہوئیں۔ جود و کرم میں یکتائے دوراں اور فضل و کمال میں حیدر زماں۔ آپ کے عہد میں ریاست اوج و کمال کو پہنچی بیرون شہر بلدۂ نو آباد موسوم بہ شاہجہاں پور، آباد کیا۔ اس کے علاوہ دیگر تعمیرات بھی ہوئیں۔ تاج محل بنا۔ جشن شاہانہ کا سامان کیا۔ دو لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ ہزاروں خلعت ہائے فاخرہ جملہ ملازمین و متوسلان ریاست کو عطا ہوئے اور تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کو سامان خلعت و دعوت ضیافت عنایت ہوا، اور رفاہ عام کے بھی کارہائے نمایاں ظہور میں آئے۔ ہوشنگ آباد سے بھوپال تک ۵۰ لاکھ روپیہ صرف کر کے ریلوے لائن بنوادی اور سنہ ۱۳۰۲ھ کو جاری ہوگئی۔ طبیعت

---

[1] تذکرہ فرخ بخش۔ مولفہ یار محمد خاں شوکت بھوپالی۔

شعر و سخن کی طرف مائل تھی۔ نمونۂ کلام:

سرخرو ہونے کے قابل کیا حنا تھی میں نہ تھا
آپ کے قدموں کے نیچے اسکو جا تھی میں نہ تھا
دیکھتے کیا ہو ادھر گر زلف برہم ہو گئی
یہ سراسر حرکت باد صبا تھی میں نہ تھا
جل گئے اغیار سب محفل میں آنے سے مرے
اے پری یہ گرمیِ آہ رسا تھی میں نہ تھا
کیوں نہ اس حسرت سے میرا شیشۂ دل چور ہو
باغ تھا ساقی تھا، سبزہ تھا، ہوا تھی میں نہ تھا

واہ وا کیا ہی نیا یہ آپ کا چالا ہوا
دل ہمارا لے لیا ایک عمر کا پالا ہوا
بڑھتے بڑھتے تا کمر آنے لگا گیسو ترا
دشمن جاں پھر ہمارے حق میں یہ کالا ہوا
ہمت و جرأت پہ اپنی آفریں صد آفریں
بار غم کیا ہی اٹھایا عشق کا ڈالا ہوا

گمان مہر درخشاں کا ہوا ہے روئے روشن پر
تعجب ایک عالم کو ہے کیا کیا ان کے جوبن پر

پڑھی جب فاتحہ تو پڑھتے پڑھتے ہنس دیا گویا
گرائی آپ نے بجلی جب آئے میرے مدفن پر

ہمارا دل دکھانا کچھ ہنسی یا کھیل سمجھے ہو
سمجھ پکڑو، جواں ہو اب جا دہتم اداکین پر

سخن کو آپ کے اے حضرت دل کس طرح مانوں
کسی کو اعتبار آتا نہیں ہے قول دشمن پر

ہماری آنکھ سے گرتے نہیں یہ اشک کے قطرے
نچھاور کرتے ہیں موتی تمہارے روئے روشن پر

نظر میں جیسے شیریں کے تمہارا روئے روشن ہے
نہیں پڑتی ہے آنکھ اس کی گل شاداب گلشن پر

دنیا میں بڑا نام ہے شکر سخنی کا
شیریں جو تخلص میں ہوا نام ہمارا

معمّا[۱]

نام طیب ہے سہ حرفی نکتہ سنج
اور عدد ہر ایک کے پنجاہ و پنج

خالق ہے خدائے سحر و شام ہمارا
مشہور اوسی نے یہ کیا نام ہمارا
پیدا ہوئے ہم امت محمود خدا میں
برتر نہ ہو کیوں رتبۂ اسلام ہمارا
دنیا میں بڑا نام ہے شکر سخنی کا
شیریں جو تخلص میں ہوا نام ہمارا

حل معمّا

ط	ی	ب
	دہ	دو
نہ	۵۴	۶۴
۵۵		جملہ
	جملہ	۱۰
	نہ	دہ
	۵	۵۴
		نہ
		۵۵

---

[۱] تذکرہ ' فرخ بخش ' مولفہ یار محمد خاں شوکت بھوپالی

فارسی کلام

روز خزاں نماید آئینۂ بہاراں
صہبائی نیست دادند در جام ہست مارا
عمریست گرد باد صحرای جستجوئیم
تا ساربانِ شوقت محمل بہ بست مارا
شاہجہاں عشقم از جملہ بے خبر کرد
جامی بیاد چشم آن می پرست مارا

دست ازل آں روز کہ شمشیر تو می ساخت
بگذشت سر سنگ فساں جگر ما
رستیم شجر دار بگلزار امارت
غیر از کرم جود نباشد ثمر ما
ای شاہجہاں مطلع اشعار تو بنود
خورشید بسفتند بسلک گوہر ما

رُباعی

دریافت عطای کبریائے مارا   در حضرت اوست جبهہ سائے مارا
چو عاجزی از پادشہاں مقبولست   نازم کہ گشد بپادشاہے مارا

اے شاہجہاں دراشد عمر گناہ   شد نامۂ اعمال تو چوں قیر سیاہ
نومید مشو کہ داد گر ہست رحیم   کوہ گنہت شود بوزن پر کاہ

ایں عمر دراز صرف عصیاں بودہ   یکبار نزانہ چشم گریاں بودہ
باایں ہمہ اعوجاج بخشش خواہی   گر نیست عمل بیا پشیماں بودہ

گو بہر گناہ وقف فرصت باشم   در طاعت حق کمینہ ہمّت باشم
نومید نیم کہ نامیدی کفرست   ہر لحظہ امیدوار رحمت باشم

شرم شمس النساء بیگم[1]

حکیم قمرالدین خانصاحب کی بیٹی۔ متوطن بنارس۔ لیکن والد بزرگوار لکھنؤ چلے آئے تھے۔ اس لیے مستقل قیام یہیں رہا۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ مگر مشاعروں میں شریک نہیں ہوتی تھیں۔ ؎

جو اسکے کاکل مشکیں کی بو صبا لائی
دماغ عرش پہ اس خاکسار کا پہنچا

پڑے جو عکس گل زنہار بن جائیں
کہ شاخ گل سے بھی نازک ہے یار کا پہنچا
مثال غنچہ تو کیوں دل گرفتہ ہے اے شرم
خوشی ہو خط ترے اب گلعذار کا پہنچا

گر پڑوں یار کے قدموں پہ اگر پی ہے شراب
ہاتھ آیا ہے بہانہ مجھے بیہوشی کا

---

[1] تذکرہ خواتین مولانا عبدالباری آسی۔

کوئی نا آشنا نہیں ایسا
ملے ہیں آپ آشنا کیا خوب

وصل میں شرم و حیا، شرم کو مشکل ہے بہت   کثرت شوق سے ہو جاتا ہے دشوار لحاظ

دشمن ہوا وہ جان کا کی جس سے دوستی
سچ ہے مثل کسی کا کوئی آشنا نہیں

بل کر رہا ہے گیسوئے خمدار کس لیے   او کج ادا سبب نہ کھلا پیچ و تاب کا
منھ سے لگایا شوخ نے ساغر شراب کا
لو ہو گیا قران مہ و آفتاب کا

پہلے ثابت کریں اسکے وحشی کی تقصیریں دو
کیوں مرے پاؤں میں پہناتے ہیں زنجیریں دو

دونوں زلفوں کا تری آیا جو وحشت میں خیال
پڑ گئیں پانوں میں میرے وہیں زنجیریں دو

کہا قاصد نے کہ لایا ہوں میں پیغام وصال
آج خلعت مجھے پہناؤ کہ جاگیریں دو

درد دل دور ہوا سینہ کی سوزش بھی گئی
شربت وصل میں تیرے ہیں یہ تاثیریں دو

یا بہانے سے بلائیں اسے یا خط ہی لکھیں
شرم کیا خوب یہ سوجھیں ہمیں تدبیریں دو

صفیہ شمیم ملیح آبادی

صفیہ نام، شمیم تخلص۔ دیدار حسن کی بیٹی۔ اور جوشؔ ملیح آبادی کی بھانجی ہیں۔ نو سال کی عمر سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ابتدا میں امیدؔ تخلص کرتی تھیں ؎

دل میں کچھ درد پھر ہوا امیدؔ
یاد شاید مجھے کیا اس نے

صفیہ ۲۸ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ شروع میں باقاعدہ تعلیم مدرسہ میں ہوئی لیکن جلد ہی پردہ میں بٹھا دی گئیں۔ اس کے بعد اپنی ذہانت اور والدہ و بڑے بھائی جلالؔ ملیح آبادی کی مدد سے گھر ہی پر تعلیم حاصل کی۔ خالو ابرار حسن خاں اثرؔ ملیح آبادی نے بھی مدد کی۔ کلام پر اصلاح جوشؔ، حکیم آزاد انصاری اور اثرؔ لکھنوی سے لی۔

خواتین لکھنؤ کی ادبی، سماجی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز "زنانہ پارک" تھا۔ صفیہ شمیم بھی ان جلسوں میں باقاعدہ شریک ہوتی تھیں۔

نومبر سنہ ۱۹۳۸ء میں اتاترک کے انتقال پر ان کی نظم نے ادبی حلقوں میں دھوم مچا دی۔ ان کی شادی شاہجہانپور کے پٹھان کے گھرانے میں کم عمری میں ہی کر دی گئی۔ آپ کے شوہر رفیع الدین خاں گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمۂ دفاع میں ملازم تھے شادی کے

بلدتی چلی گئیں۔ شوہر نے بے پردہ کر دیا اور اس طرح وہ ادبی محفلوں میں شریک ہونے لگیں۔

سنہ ۱۹۴۷ء میں ترک وطن کر کے اپنے شوہر کے ساتھ پاکستان چلی گئیں۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں جنرل ہیڈ کوارٹر آف آرمی کا رسالہ پاسبان نکلا تو انھیں اعزازی مدیرہ مقرر کیا گیا۔ سنہ ۱۹۵۴ء میں فوجی بینڈ کے لیے شمیم نے ایک ترانہ لکھا۔

تمھیں ہو عزتِ چمن بڑھے چلو   تمھیں ہو دولتِ چمن بڑھے چلو

جو باقاعدہ منظور کر لیا گیا۔

شمیم اقبال، جوش اور نذرالاسلام کی شیدائی ہیں۔ نظم و غزل دونوں کو پسند کرتی ہیں لیکن رباعی خوب کہتی ہیں۔ پابندِ صوم و صلوٰۃ ہیں، ماں اور باپ دونوں طرف سے شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی مرحوم فرماتے ہیں:

"ہم لوگوں میں اقتدار، دولت مندی اور شاعری کے اثرات کی بنیاد پر درسی تعلیم کا زیادہ رواج نہیں تھا ہم لوگ اپنے گھروں پر ہی مولویوں اور استادوں سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہمارے استاد ہم سے خائف رہتے تھے اور جب لڑکوں کی تعلیم اس قابلِ افسوس حد تک ابتر ہو تو خاندان کی لڑکیوں کی تعلیمی زبوں حالی کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے

چنانچہ شمیم بھی درسی نقطۂ نظر سے اسی زبوں ماحول کی پیداوار ہے لیکن اس کے باوجود اس کے لہجے کا وقار، اس کے الفاظ کی ترتیب، اس کے معانی کی درخشانی اور اس کے اشعار کی تیز بینی و روانی میں اس قدر تناسب و توازن ہے کہ کسی بڑی سے بڑی تعلیم یافتہ شاعرہ کا کلام

بھی اس سے بہتر نمونہ پیش نہیں کرسکتا۔

شمیم کا کلام بتاتا ہے کہ وہ ایک خاص ہندوستانی و پاکستانی خاتون ہے، اور اسکے دل میں ان جذبات کا فوارہ چھوٹ رہا ہے جو مشرقی عورتوں کا ایک خاص طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جہاں تک شاعری میں آزاد اظہار خیال کا تعلق ہے ہمارا ماحول نہایت تنگ و تار واقع ہوا ہے اور ہماری عورتیں اس قدر بھنچی ہوئی ہیں کہ شاعری کے میدان میں بھی کھل کر بات کرنا ان کے واسطے مشکل ہوتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ شمیم کو اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے یہاں یہ کھچاؤ اس قدر کم ہے کہ اسے برائے نام سے زیادہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

شمیم کی نگاہ جس شاعرانہ انداز سے زندگی کے متعدد گوشوں کا احاطہ کرتی، جادۂ حیات کے موڑوں سے جس طرح گزرتی اور مڑتی ہے اور لیل و نہار کی گردشوں سے جس طرح اثرات قبول کرتی اور ان اثرات کو آب دار اشعار کے سانچوں میں ڈھالتی ہے۔ ان سب باتوں پر نگاہ کرکے یہ بات بلا مبالغہ اور دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ خاک ہندوستان نے شمیم کی سی شاعرہ کو اب تک پیدا نہیں کیا ہے۔ وہ آج بھی اردو زبان کی تنہا شاعرہ ہے اور ایک زمانہ دراز تک تنہا شاعرہ کی حیثیت سے باقی رہے گی اور شاعرات ہی تک یہ بات محدود نہیں۔ ہمارے مشہور شاعروں میں بھی ایسے شاعر کم ہیں جنھیں شمیم کے مساوی مرتبہ دیا جاسکتا ہے۔"

جوشؔ

۶-۱۲-۵۰ (کراچی)

آہنگ شمیم کے دیباچہ میں جناب عبدالمجید سالک فرماتے ہیں ایک دن سروجنی نائیڈو نے اقبال سے پوچھا :

" کیا آپ نے میری نظمیں پڑھیں ہیں ؟ اگر ایسا اتفاق ہوا ہے تو میں اپنی شاعری کے متعلق آپ سے رائے دریافت کرنا چاہتی ہوں "

علامہ نے فرمایا :

" جی ہاں ۔ میں نے آپ کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے ۔ آپ کی شاعری نہایت موزوں اور مناسب ہے "

سروجنی یہ سن کر متعجب ہوئیں اور کہنے لگیں :

— " یہ موزوں اور مناسب کیا معنی ؟ "

علامہ نے فرمایا :

" آپ عورت ہیں اور آپ کی شاعری نسوانی ہے ۔ اس سے زیادہ مناسب اور موزوں بات کیا ہو سکتی ہے "

علامہ نے ایک لفظ میں سروجنی کی شاعری کی لطافت ، ان کے تخیل کی نزاکت ، ان کے الفاظ کی خوشنمائی اور ان کے معانی کی سلاست کی طرف اشارہ کر دیا ہے :

" میرے نزدیک صفیہ شمیم کی شاعری بھی بے حد مناسب اور موزوں ہے "

ہمارے نزدیک عورت اور خصوصاً مشرقی عورت کا کلام بلکہ اس کی طبیعت میں بھی نرمی اور ملائمت ضروری ہے ۔ قول و فعل میں لطافت ۔ ابلاغ و اظہار میں سادگی (قلن قولاً معروفاً) زبان کی صحت اور محاورے کی درستی و پرہیزگاری ہماری عورتوں کی خصوصیات میں داخل ہیں ۔ ان کے احساسات غم کے ہوں یا خوشی کے بہر حال یہ متانت لیے ہوئے ہوتے ہیں اور بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ ظاہر کیے جاتے ہیں ۔

صفیہ شمیم کی نظموں میں آپ کو یہ تمام خصوصیتیں واضح طور پر نظر آئیں گی۔ پستی اور ابتذال کا کہیں نام و نشان نہ ملیگا کیونکہ عورت پستی اور ابتذال سے لازماً اور طبعاً بیگانہ ہوتی ہے۔

عورت چونکہ جذبات کو ہمیشہ حد سے بڑھے ہوئے ادراک پر فوقیت دینے کی عادی ہے اس لیے شمیم کا کلام مذہبیت، وطن دوستی، فطرت پرستی۔ محبت پدری سے معمور ہے وہ "وطن حال" کی خیر خواہی اور الفت میں وطن قدیم کو فراموش نہیں کرسکتی۔ وہ صبح وشام کو دل فریب مناظر۔ تاروں بھری رات۔ نسیم سحر، رنگینیٔ بہار گل وگلزار کے ساتھ ساتھ دوپہر کی گرمی اور خزاں کی ویرانی سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ وہ معاشرے کی خرابیوں۔ عوام کی مصیبتوں اور مسائل وطن کی پیچیدگیوں سے بھی غافل نہیں رہتی۔ اس کے کلام میں جابجا ان عمیق احساسات کا سراغ ملتا ہے اور پکار پکار کر واضح کر رہا ہے کہ شمیم کوئی معمولی "ناظمہ" نہیں بلکہ حقیقی شاعرہ ہے۔

آجکل دنیائے ادب میں نئے نئے تجربوں کا دور دورہ ہے۔ کہیں ابہام کی پرچھائیاں ہیں۔ کہیں ابلاغ و اظہار کی بے اعتدالیاں ہیں کہیں پرانی ادب و روایات کا استخفاف ہے۔ قافیہ ردیف اور وزن و بحر سے "لہو ولعب" ہے۔ زبان و محاورہ سے بدسلوکی ہے لیکن شمیم کا کلام ان تمام "تجربات" سے پاک ہے اس نے آجکل کے شعرا کو سیدھا راستہ دکھایا ہے جس پر چل کر وہ اپنے قومی ادب و شعر کی روایات حسنہ کو سلامت رکھتے ہوئے بیان و اظہار کے نئے نئے محاسن کی تخلیق کرسکتے ہیں۔

اگر صفیہ شمیم اس مجموعے کو مرتب نہ کرتیں تو یہ اردو کے ادب پر ظلم ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ ملک کے اہل سخن اور اہل فن اس مجموعے سے بیحد بہرہ اندوز حلاوت ہوں گے اور ہمارے نقاد بھی ذرا آنکھیں کھول کر شمیم کے فن کی داد دیں گے۔

ارباب ذوق سلیم کو شمیم کے آئندہ مجموعے کا بیتابی سے انتظار رہے گا کیونکہ ؎

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

علامہ عبد المجید سالک

مسلم ٹاؤن ۔ لاہور
۲۰؍ دسمبر ۵۶ء

شاعری

صرف ایک مجموعہ کلام "آہنگِ شمیم" سامنے ہے باقی کلام سند ارد - ایسی صورت میں انتخاب ناکافی و نامکمّل ہے اور شمیم کی شاعری کی محض ایک جھلک ہے

"غزلیات"

زندگی سر بہ گریباں نظر آتی ہے مجھے   ہر کلی دیدۂ حیراں نظر آتی ہے مجھے
زیست کیا مرکزِ آلام و ہجوم آفات   موت ہی منزل آساں نظر آتی ہے مجھے
تیرے جاتے ہی یہ کیا حال ہوا آنکھوں میں   کائنات آج تو ویراں نظر آتی ہے مجھے
میں تری یاد کے قربان ترے غم کے نثار   زندگی دولتِ ارماں نظر آتی ہے مجھے
وہ بھی کیا دن تھے کہ ہستی تھی بہار و نغمہ   تیرے بعد اب تو یہ ویراں نظر آتی ہے مجھے
نہ رہی شدتِ احساس بھی اے ناامیدی   زندگی غم سے پریشاں نظر آتی ہے مجھے

پھر دل کو مژدہ غم الفت سنا گئے   اک اک قدم پہ دامِ تمنا بچھا گئے
کیا کیا ہوں اپنے دل سے پشیماں نہ پوچھیے   جب چاہا بھولنا انھیں وہ یاد آ گئے
یہ اہتمام روشنئ دل ہو جاوداں   شمعیں جو بجھ چلی تھیں انھیں بھی جلا گئے
کیا طرزِ پرسشِ غمِ پنہاں تھی ہمنشیں   وہ مسکرائے اور یہاں اشک آ گئے
پھر روشناسِ لذتِ اندوہ کر گئے   پھر آ کے قیمتِ دلِ مضطر بڑھا گئے
پھر دے گئے وہ لذتِ غم ہائے روزگار   پھر موت کو حیات کے نغمے سنا گئے
با وصف ترکِ رسم وفا بارہا تسنیم   جب آ گئے خیال میں پھر دل رلا گئے

قرار دے نہ اگر بیقراری کر دے   خوشی محال سہی اشکباری کر دے

مرے چمن میں نصیبوں میں گر بہار نہیں — تو اس کو ہدیۂ برق و شرار ہی کر دے
وفا ہو یا نہ ہو وعدہ تو کرے کوئی — مجھے رہینِ غمِ انتظار ہی کر دے
دلِ گرفتہ کو اے مالکِ بہار و جمال — شگفتہ گل نہیں کرتا تو خار ہی کر دے
اگر ہے میرے لیے لطفِ زندگی مفقود — تو پھر فنا سے مجھے ہمکنار ہی کر دے
تجھے تبسمِ رنگیں کی بجلیوں کی قسم — مرے وجود کو مشتِ غبار ہی کر دے
گریز رحمتِ یزداں کو ہے اگر مجھ سے — مری امیدوں کو آفت شکار ہی کر دے
اگر چراغِ تمنا جلا نہیں سکتا — مرے نصیب کو ظلمت شکار ہی کر دے
دریچے میرے لیے بند ہیں خوشی کے اگر — دلِ تبسم کو غم کا شکار ہی کر دے

دل بجھ گیا تو زیست کا ساماں ہوا تو کیا — اب ذرہ ذرہ خلد بداماں ہوا تو کیا
اک سوگوارِ زیست کو مطلب نشاط سے — اب گلستاں میں جشنِ بہاراں ہوا تو کیا
فرصت نہیں ہے نالۂ شبگیر سے یہاں — اب نغمہ بازِ مطربِ یاراں ہوا تو کیا
ماضی کی دل پہ چھائی ہیں پُرہول بدلیاں — اب آفتابِ حال زرافشاں ہوا تو کیا
جب درد ماورائے مداوا ہی ہو چکا — ایسے میں کوئی مائلِ درماں ہوا تو کیا
اب گوشِ دل ہے منتظرِ نعرۂ اجل — اب مائلِ سخن لبِ جاناں ہوا تو کیا
آنکھوں میں جب رہا ہی نہیں نورِ زندگی — پھر بے نقاب جلوۂ جاناں ہوا تو کیا
اب دل کو بھا گئی ہے فضائے خزاں تبسم — پھر جوش بر جمالِ بہاراں ہوا تو کیا

گر درد لا دوا تھا تو مداوا ہی نہ کرتے — یوں عزتِ اندوہ کو رسوا ہی نہ کرتے

اب کچھ ہو نہ نکلے گی تمنا تری دل سے
وہ بات جدا تھی کہ تمنا ہی نہ کرتے
بدنام ہوئی موت میں دیدار کی حسرت
یہ جانتے تو شوقِ تماشا ہی نہ کرتے
اے ہمدم ناداں تری بھول ہے ورنہ
وہ بزم میں اور ذکر ہمارا ہی نہ کرتے
معلوم جو ہوتا اثرِ نالہ و فریاد
جذب و اثر ضبط کو رسوا ہی نہ کرتے
بے تابیٔ دل اور بھی کچھ ہو گئی دوچند
اچھا تو یہی تھا کہ مداوا ہی نہ کرتے

وہ درد دے جو تاب مداوا نہ لا سکے
وہ غم عطا ہو ہمتِ دل جو بڑھا سکے
جب آس کا چراغ بجھا پھر نہ جل سکا
یوں بزمِ دل لٹی کہ نہ پھر ہم بسا سکے
کیا کیا تھی پیشِ حسن تمنائے عرضِ حال
اک حرفِ آرزو بھی زباں پر نہ لا سکے
غم کیا لٹا کہ ہو گئی بے رنگ زندگی
اے یاس یہ بھی نقش مٹا گر مٹا سکے
کیا تھی ادائے پرسشِ غم کچھ نہ پوچھئے
باد صرفِ ضبطِ غم بھی نہ ہم مسکرا سکے
جس دن سے تم نے ظلمتِ غم دل کو بخش دی
جب سے نہ کوئی شمعِ تمنا جلا سکے
باندھا تھا ہائے اس نے جو عہدِ وفا کبھی
جب آ گیا تو یاد نہ اس کو دلا سکے
اب حاصلِ حیات ہے گذرے دنوں کی یاد
جن کو نہ گردشِ غمِ دوراں بھلا سکے
تو نے کیا تھا ہم سے جو پیمانِ دوستی
ہاں یاد کر وہ دن جو تجھے یاد آ سکے
بھولے انھیں نہ ہم یہ کمالِ وفا نہیں
وہ بھی شمیم ہم کو نہ دل سے بھلا سکے

دمساز و انیس شبِ ہجراں ہے تری یاد
خلوت میں بھی صد جشنِ بہاراں ہے تیری یاد
اس گلشنِ پامال میں اس دورِ خزاں میں
پیغامبرِ صبحِ بہاراں ہے تیری یاد

اس معرکۂ زیست کے فریاد و فغاں میں　　صد مژدۂ گلبانگ ہزاراں ہے تیری یاد
ہر شب کو سناتی ہے حکایاتِ محبت　　دلبستگیٔ شامِ غریباں ہے تیری یاد
ہر شب کو جلا دیتی ہے قندیلِ تمنا　　درخشندگیٔ شامِ غریباں ہے تیری یاد
مدت ہوئی وہ شمعِ جنوں بجھ گئی لیکن　　خاکسترِ دل میں شرر افشاں ہے تیری یاد
دل اس طرح ڈوبا کہ ابھرتا ہی نہیں اب　　گرداب ہے سیلاب ہے طوفاں ہے تیری یاد

"حصہ نظم"

سلام

"بحضور سرورِ کائناتؐ"

السّلام اے تاجدار بزمِ امکاں السّلام
السّلام اے افتخارِ نوعِ انساں السّلام
السّلام اے مخزنِ اسرار یزداں السّلام
السّلام اے نازشِ گردوں گرداں السّلام
السّلام اے آفتاب صبح ایماں السّلام

جلوۂ صبح حقیقت اے حبیب کردگار
دولت ارض و سما، سرمایۂ صد افتخار
اے طبیب آدمیت، مشعلِ روحانیت
تیرے ہر قول و عمل سے رحمت حق آشکار
السّلام اے آفتاب صبح ایماں السّلام

تابشِ صبحِ ازل، تابانیٔ شامِ ابد
شاہدِ حق شمعِ عرفاں نورِ الہامِ ابد
جلوۂ حسنِ سعادت پیکرِ پاکیزگی
تو ہی آغازِ ازل ہے تو ہی انجامِ ابد
السّلام اے آفتابِ صبحِ ایماں السّلام

اے سراج الانبیاء، شاہِ زماں خیر الانام
پیکرِ صدق و صفا ذی مرتبت عالی مقام
فاتحِ سیلِ حوادث تاجدارِ صبح و شام
اے خدا کے آخری پیغامبر تجھ پہ سلام
السّلام اے آفتابِ صبحِ ایماں السّلام

سلام

حسینؓ بے وطن و بے کفن سلام تجھے   سلام ساقیِ تشنہ دین سلام تجھے
سلام شہ کے علمبردار ذی حشم عباسؓ   سلام نازشِ خیبر شکن سلام تجھے
سلام عابدؓ بیمار بیکس و ناچار   اسیرِ حلقۂ رنج و محن سلام تجھے
شہیدِ حق شہِ مظلوم کشتۂ خنجر   حسینؓ اے شہِ خونیں کفن سلام تجھے
مٹا سکی نہ ترا رنگ و بو ہوائے خزاں   سدا بہار علیؓ کے چمن سلام تجھے

"ترانۂ وطن"

ارضِ مشرق کا روشن ستارا ہے تو
قلبِ گیتی کا رنگیں شرارا ہے تو
اے کہ طوفانِ غم کا کنارا ہے تو
اے کہ ٹوٹے دلوں کا سہارا ہے تو
اے وطن زندگی کے سہارے وطن
تیرے ذرّوں پہ قرباں ستارے وطن

(۲)

اے کہ سرمایۂ دین و ملّت ہے تو
زندگی کی مقدس امانت ہے تو
ظلمتِ غم میں نورِ مسرت ہے تو
مسکراتی ہوئی صبحِ جنت ہے تو
اے وطن زندگی کے سہارے وطن
تیرے ذروں پہ قربان ستارے وطن

(۳)

تجھ میں تابندہ ہے نقشِ اقبال بھی
سازِ پنجاب بھی سحرِ بنگال بھی
حسنِ کشمیر بھی، جوشِ چترال بھی
شانِ ماضی بھی ہے دولتِ حال بھی
اے وطن زندگی کے سہارے وطن
تیرے ذرّوں پہ قرباں ستارے وطن

(۴)

شان اپنی وفا کی دکھا دیں گے ہم
تیری عزت پہ سر کو کٹا دیں گے ہم
تیرے قدموں پہ جانیں لٹا دیں گے ہم
دھوم تیری جہاں میں مچا دیں گے ہم
اے وطن زندگی کے سہارے وطن
تیرے ذرّوں پہ قربان ستارے وطن

(۵)

تیرے گیسو ہمیشہ مہکتے رہیں
تیرے عارض ہمیشہ دمکتے رہیں
تیرے ساغر ہمیشہ چھلکتے رہیں
اے وطن زندگی کے سہارے وطن
تیرے ذرّوں قرباں ستارے وطن

"رُخصت"

یوں ہی اس فضا میں ترانے رہیں گے
چمن میں گلوں کے فسانے رہیں گے
فسانوں میں غلطاں زمانے رہیں گے
یہاں سے مگر یوں چلے جائیں گے ہم
نہ بھولے سے بھی پھر کبھی آئیں گے ہم

(۲)

یوں ہی بڑھتے گھٹتے رہیں گے اندھیرے
یوں ہی مسکرائیں گے دلکش سویرے
پڑیں گے یوں ہی لالہ و گل کے ڈیرے
یہاں سے مگر یوں چلے جائیں گے ہم
نہ بھولے سے بھی پھر کبھی آئیں گے ہم

(۳)

نئے کارواں روز آتے رہیں گے
پرانی زمیں کو بساتے رہیں گے
ستارے یہی جگمگاتے رہیں گے
یہاں سے مگر یوں چلے جائیں گے ہم
نہ بھولے سے پھر کبھی آئیں گے ہم

(۴)

یہی جنگ خورشید و شبنم رہے گی
یہی کاوش فکر آدم رہے گی
یہی گرمی روح عالم رہے گی
یہاں سے مگر یوں چلے جائیں گے ہم
نہ بھولے سے بھی پھر کبھی آئیں گے ہم

(۵)

یہی کیف حرف و حکایت رہے گا
یہی ربط حسن و محبّت رہے گا
یہی لطف شکر و شکایت رہے گا
یہاں سے مگر یوں چلے جائیں گے ہم
نہ بھولے سے بھی پھر کبھی آئیں گے ہم

(۶)

پکاریں گی ہم کو سہانی فضائیں
بلائیں گی ہم کو مہکتی ہوائیں
صدا دیں گی ہم کو برستی گھٹائیں
یہاں سے مگر یوں چلے جائیں گے ہم
نہ بھولے سے بھی پھر کبھی آئیں گے ہم

"دِل"

قیامت کا اضداد ساماں ہے دل
گہے درد ہے گاہ درماں ہے دل
کبھی کفش بردارِ بادِ خزاں
کبھی شہریارِ بہاراں ہے دل
کبھی نالۂ شامِ افسردگی
کبھی نغمۂ صبحِ خنداں ہے دل
کبھی بربطِ عیش سے مضطرب
کبھی سازِ غم پر غزلخواں ہے دل
کبھی مرکبِ ذرّہ و خشت و سنگ
کبھی راکبِ مہرِ تاباں ہے دل
کبھی صبحِ ہنگامۂ زندگی
کبھی شامِ گورِ غریباں ہے دل
خرد کا کبھی خضرِ کارساز
جنوں کا کبھی میرِ ساماں ہے دل
کبھی شر بدوش اور کبھی خیرِ کل
گہے اہرمن گاہ یزداں ہے دل
معما ہے جس کا نہیں حل کوئی
بدستور اک رازِ پنہاں ہے دل

"یَومِ جَمْہُورِیّہ"

افق اشک سے پھوٹتی ہے کرن آج کے دن
مسکراتے ہیں امیدوں کے چمن آج کے دن
اک نئے موڑ پہ ہے قافلۂ اہلِ جنوں
بدلا بدلا ہے زمانے کا چلن آج کے دن
شکوہ سنجانِ قفس سے کوئی جا کر کہہ دے
کٹ گیا سلسلۂ دار و رسن آج کے دن
نوعِ انساں پہ کھلا آج درِ امن و اماں
ہل گئی ظلم کی بنیادِ کہن آج کے دن
پھول تو پھول ہیں کانٹوں میں بھی ہے بوئے وفا
شاد ہے روحِ شہیدانِ وطن آج کے دن

اک نئی رو ہے نئی دھن ہے نیا ذوقِ عمل
جاگ اٹھا عزمِ محبانِ وطن آج کے دن
اس قدر دھیان رہے ساقیٔ بزمِ جمہور
کوئی باقی نہ رہے تشنہ دہن آج کے دن
شوخیاں اتنی بھی اچھی نہیں اے بادِ صبا
دُکھ کہیں دے نہ اٹھے داغِ کہن آج کے دن

"جادۂ بے منزل"

لبِ گل پہ دوزخ کی بیتی کہانی
مہکتے شگوفوں پہ آتش فشانی
ہر اک گام پر آفتِ ناگہانی
لئے جا رہی ہے کدھر زندگانی

(۲)

ہر اک گام پر منتظر ہے تباہی
سیاہی پہ چھائی ہوئی ہے سیاہی
شبِ غم کی دیتے ہیں تارے گواہی
لئے جا رہی ہے کدھر زندگانی

(۳)

نہ صحرا نہ ناقہ نہ لیلیٰ نہ محمل
نہ رہبر نہ ہادی نہ جادہ نہ منزل
ٹھہرنا بھی مشکل، گزرنا بھی مشکل
لئے جا رہی ہے کدھر زندگانی

(۴)

نہ ہمراز کوئی نہ فریاد رس ہے
نہ بانگِ درا ہے نہ بانگِ جرس ہے
ہر اک گام پر عقل کو پیش و پس ہے
لئے جا رہی ہے کدھر زندگانی

(۵)

نہ ہے خیمۂ گل، نہ ابرِ بہاراں
نہ سازِ تمنا، نہ بانگِ ہزاراں
نہ آغوشِ گلشن نہ شمعِ شبستاں
لئے جا رہی ہے کدھر زندگانی

(٦)

ذہانت کہیں سر اٹھائے ہوئے ہے
صداقت کہیں زخم کھائے ہوئے ہے
حقیقت کہیں منہ چھپائے ہوئے ہے
لئے جا رہی ہے کدھر زندگانی

(٧)

شقاوت کہیں آگ برسا رہی ہے
کدورت کہیں دام پھیلا رہی ہے
محبت کہیں اشک ٹپکا رہی ہے
لئے جا رہی ہے کدھر زندگانی

(٨)

غم دہر لئے ہوئے آستیں ہے
ہر اک شام ہر اک سحر آتشیں ہے
فلک ایک شعلہ ہے طوفاں زمیں ہے
لے جا رہی ہے کدھر زندگانی

"تلاشِ سحر"

اٹھو کہ شب میں جمالِ سحر تلاش کریں   ہجومِ خار میں گل ہائے تر تلاش کریں
شبِ فراق میں روشن کریں چراغِ مراد   اٹھو تجلیِ قلب و نظر تلاش کریں
چمن اداس ہے گل سرنگوں فضا خاموش   اٹھو سرورِ نسیمِ سحر تلاش کریں
سکونِ شبنم و یخ کی تازگی تا چند   اٹھو تلاطمِ برق و شرر تلاش کریں
حریمِ فکر کے سب جھلملا رہے ہیں چراغ   اٹھو تجلیِ شمس و قمر تلاش کریں
خروشِ عزمِ سفر پھر جواں کریں دل میں   غبارِ راہ میں پھر راہبر تلاش کریں
ربابِ وقت پہ چھیڑیں ترانۂ ابدی   دیارِ مرگ میں عمرِ خضر تلاش کریں
فضا کے دوش پہ لہرائیں پرچمِ عظمت   شکستِ غم میں نشاطِ ظفر تلاش کریں
گھٹی گھٹی سی فضا ہے دیارِ ہستی کی   اٹھو سعادتِ نوعِ بشر تلاش کریں
توہمات کی مرہول بدلیوں میں شمیم   اٹھو حقائقِ نورِ سحر تلاش کریں

عمرِ گریزاں ٹھہر جا

(۱)

ابھی غنچۂ فہم مہکا نہیں ہے
ابھی باغِ ادراک لہکا نہیں ہے
ابھی گلشنِ فکر دہکا نہیں ہے
ابھی اور عمرِ گریزاں ٹھہر جا

(۲)

ابھی رازدارِ دو عالم نہیں ہے
جو گل پر ہے وہ اشکِ شبنم نہیں ہے
ابھی فارغِ شادی و غم نہیں دل
ابھی اور عمرِ گریزاں ٹھہر جا

(۳)

حقائق ہیں انساں سے اب تک گریزاں
ابھی رہنِ ظلمات ہے آبِ حیواں
ابھی دور ہے قصرِ تکمیلِ انساں
ابھی اور عمرِ گریزاں ٹھہر جا

(۴)

ابھی بسترِ خاک پر زندگی ہے
ہلاکت فریبِ نظر زندگی ہے
گرفتارِ خوف و خطر زندگی ہے
ابھی اور عمرِ گریزاں ٹھہر جا

(۵)

ابھی زندگی غافل و بے خبر ہے
ابھی فکر گم ہے پریشاں نظر ہے
ابھی رات کو انتظارِ سحر ہے
ابھی اور عمرِ گریزاں ٹھہر جا

(۶)

ابھی فطرتِ آب و گل تولنا ہے
چٹانوں پہ لعل و گہر رولنا ہے
ابھی قفلِ ارض و سما کھولنا ہے
ابھی اور عمرِ گریزاں ٹھہر جا

ھوائے برشگال

(۱)

رقص میں ہے روحِ گیتی وجد میں ہیں نکہتیں
عرش سے گویا اتر آئیں زمیں پر جنتیں
یہ شگوفوں کا تبسم یہ ہواؤں کا سرور
یہ فضائے ارغوانی یہ چمن کی نزہتیں
لائی ہے کیا کیا بہاریں یہ ہوائے برشگال

(۲)

مست ہے روحِ چمن، گل ہیں خزاں سے بے خبر
دلکشی چھائی ہوئی ہے گلشنِ شاداب پر
برگ و گل پر اس طرح لرزاں ہیں قطرے آب کے
جیسے طائر مائلِ پرواز تولے بال و پر
لائی ہے کیا کیا بہاریں یہ ہوائے برشگال

(۳)

راگ میں ڈوبی ہوئی ہے آبشاروں کی صدا
گنگناتی یہ ہوائیں مسکراتی یہ فضا
یہ طرب افزا مناظر، یہ ترنم یہ سرور
ہر طرف دھومیں مچاتے یہ طیورِ خوشنوا
لائی ہے کیا کیا بہاریں یہ ہوائے برشگال

(۴)

یہ کنارِ آب جو نوخیز پودوں کی قطار
یہ صدائیں کوئلوں کی، یہ پپیہے کی پکار
یہ مہکتے تختۂ گل لہلہاتے کوہسار
یہ دہکتی آتشِ گل یہ دمکتے لالہ زار
لائی ہے کیا کیا، بہاریں یہ ہوائے برشگال

(۵)

یہ امنڈتی ندیاں، یہ گھڑگھڑاتی بدلیاں
یہ لہکتی کھیتیاں، یہ مسکراتے بوستاں
یہ ترانے یہ ملاریں یہ پھواریں یہ بہار

یہ جھکتی قمریاں اور یہ کھنکتی بوندیاں
لائی ہے کیا کیا، بہاریں یہ ہوائے برشگال

ایک دُکھیا کا پیام

ماگھ بیتا گذر گئی گرمی
تجھ کو اب بھی نہ میری سُدھ آئی
دیکھو دیکھو وہ آگئی برکھا
ساری دھرتی پہ چھا گئی برکھا
کوئل کوکی پپیہا بول اٹھا
تجھ کو پھر بھی نہ میرا دھیان آیا
گا رہی ہیں سہیلیاں ساون
بیلا پھول ہوا ہے بیچ آنگن
مینہ برستا ہے بادل آتے ہیں
میرے اوسان کھوئے جاتے ہیں
مور جنگل میں کر رہے ہیں شور
تجھ کو ڈھونڈوں کہاں کدھر کس اور

جہاں اُجڑا وہیں تعمیر ہوگا آشیاں اپنا
تڑپتی بجلیوں پر ہنس رہا ہے گلستاں اپنا

غریبوں کی دُنیا

نہ پوچھو بلاکش غریبوں کی حالت
حقیقت ہے یہ کچھ کہانی نہیں ہے
تبسم کی قلت تو ہے اس کرّے میں
مگر آنسوؤں کی گرانی نہیں ہے
تمنّاؤں کا سسکتا جنازہ
غریبوں کی یہ نوحہ خوانی نہیں ہے

نہ پوچھو ستم دیدہ ہیں زندہ کیوں کر
یہ سکرات ہے زندگانی نہیں ہے

"محبت ہے"

مجھے لیلائے فطرت کے نظاروں سے محبت ہے
چمن ہی کیا مجھے تو خار زاروں سے محبت ہے

جنھیں سینچا ہو اپنے خون دل سے باغبانوں نے
مجھے ان لہلاتے لالہ زاروں سے محبت ہے

جگہ دیتا نہیں جس کو کوئی گلزار دامن میں
مجھے ان زرد رُو پامال خاروں سے محبت ہے

سبق دیتے ہیں جو نوعِ بشر کو عزم محکم کا
مجھے ان رُوح پرور کوہساروں سے محبت ہے

سکھاتے ہیں جو طوفانوں میں ٹکرانا سفینوں کو،
حوادث کے مجھے ان تیز دھاروں سے محبت ہے

"رُباعیات"

بدلی ہے کہ امڈی ہی چلی آتی ہے
بوندوں کی جگہ تیر سے برساتی ہے
آہستہ ذرا پپیہے آہستہ بول
سینے میں مری سانس رکی جاتی ہے

پھولوں میں حیات تل رہی ہے جاگو
اسرار کی زلف کھل رہی ہے جاگو
اک نور تبسم ہے زمیں تا بہ فلک
شب نور سحر سے ڈھل رہی ہے جاگو

دیکھے وہ چمن وہ جگمگائے ساحل
ظلمت میں ہوا نور سحر کا شامل
گردوں پہ مچل رہی ہیں بہم کرنیں
جنبش میں ہیں معصوم شگوفوں کے دل

آغوش میں ظلمت کی زرافشاں ہوں میں
ہنگام حوادث میں بھی خنداں ہوں میں
گلشن سے چلی گئیں بہاریں کب کی
صد شکر کہ اب بھی گل بداماں ہوں میں

پھر نقش نئے ابھارے گی فطرت
ذرہ ذرہ سنوار دے گی فطرت
مرجھائے ہوئے پھولوں پہ گریاں کیوں ہو
پھر سے گلشن سنوار دے گی فطرت

اک وہم ہے یہ جلوہ نور و نکہت
ہو جائے گی ویران یہ ہنستی جنت
کانٹوں کی طرف نہ جانے کب دیکھے گی
پھولوں سے ابھی کھیل رہی ہے فطرت

دھومیں ہیں چمن چمن بیاباں گلپوش
جنت کی کھلی ہوئی ہے گویا آغوش
چھیڑا ہے جنوں نے ساز شیریں اپنا
خاموش ہوئے محفل دانش خاموش

وہ شمس و قمر کہاں ہیں کس سے پوچھوں
وہ شام و سحر کہاں ہیں کس سے پوچھوں
جو گوہرِ اشعار پرکھتے تھے شمیم
وہ اہلِ نظر کہاں ہیں کس سے پوچھوں

کب ہوگا شبِ غم کا اندھیرا یہ دور
تا چند رہے گا ذہنِ انساں میں فتور
اُبھرے گا کب آفتابِ شانِ انساں
کب عارضِ کونین پہ جھلکے گا نور

میں موجدِ طرحِ نو بنائے تخریب
دن میرے شر افشاں تو راتیں ہیں مہیب
میں رہزنِ امن، دشمنِ انساں ہوں
کہتے ہیں مجھی کو "ارتقائے تہذیب"

حاصل تری زندگی کو رفعت ہوگی
قدموں پہ ترے نثار دولت ہوگی
اس وقت گریزاں ہے تو کچھ فکر نہ کر
کل وقت کو خود تیری ضرورت ہوگی

ہر سمت نئی آگ لگاتے رہیے
ہر رنگ سے انساں کو مٹاتے رہیے
لب پر تو رہے نعرۂ امن عالم
بنیاد دو عالم کی ہلاتے رہیے

لہرانے کو ہے موت کا پرچم ہشیار
ہر سمت بہے گا خون آدم ہشیار
گونجے وہ فضائیں ساز "امن عالم"
ہیں ارض و سما درہم و برہم ہشیار

وہ جنس گراں کہاں ہیں کس سے پوچھوں
یکتائے زماں کہاں ہیں کس سے پوچھوں
جھڑتے تھے شمیم پھول جن کے منہ سے
وہ اہل زباں کہاں ہیں کس سے پوچھوں

یہ دامن تخئیل میں مہکے ہوئے پھول
دوشیزۂ افکار کا یہ حسن و قبول
یہ عرش سے تا فرش مچلتے نغمے
اللہ رے اشعار کا یہ وقت نزول

مُتفرّق اشعار

ہو خطرۂ جزا و سزا کس لئے مجھے
جب ہے نظامِ دہر ترے اختیار میں

احساسِ نامرادیٔ دل بھی نہیں رہا
کیا جانے دل پہ کون سی افتاد ہو گئی

اگر کر دے کرم تیرا کرم ہے
دگرنہ لذّتِ غم کم نہیں ہے

تعبیر مرگ و زیست ہے منجملہ اسقدر
اک ابتدائے غم ہے تو اک انتہائے غم

دھوکا تھا سب امیدوں کا دنیائے دل تمام
آباد کب ہوئی تھی کہ برباد ہو گئی

مرگِ وحشی کمالِ وحشت ہے
ذرّہ ذرہ نے خاک اڑائی ہے

قدر مرنے کے بعد کیا ہوگی
جب زمانے پہ بار ہیں ہم لوگ

گر ہے نئے نظام کی تخلیق کا خیال
آبادیوں کو نذر بیاباں تو کیجیے

نہیں راہ سے تجھے آگہی، تجھے بیخودی میں خبر نہیں
ترے پیچھے رہ گیا کارواں تجھے کارواں کی تلاش ہے

جہاں اجڑا وہیں تعمیر ہوگا آشیاں اپنا
تڑپتی بجلیوں پر ہنس رہا ہے گلستاں اپنا

عبرتؔ، زینب بیگم

والد ماجد ڈاکٹر خوب داد خاں بہادر کلکتہ میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے، بزرگوں میں ہفت ہزاری اور سہ ہزاری بھی گزر چکے تھے۔ بریلی میں محلہ گلی بھاٹان میں کوٹھی "مبارک باغ" کے نام سے مشہور ہے۔ محترمہ خوب داد خاں صاحب کو پھلوں اور مختلف قسم کے پودوں سے بہت لگاؤ تھا جس کے نتیجہ میں ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں کے پودے باغ میں موجود تھے۔ اور اگر کوئی یہ تو بتادے کہ فلاں قسم کا پھل یا پھول نہیں ہے تو پانچ سو روپیہ انعام کے مقرر تھے۔ موصوف اردو اور انگریزی کے شاعر تھے۔ اردو کا دیوان — "دیوان خوب سفینۂ مرغوب" کے نام سے مشہور ہے اور انگریزی مجموعہ کا نام "POETICAL GEMS" کے نام سے چھپا ہے۔ جس کی تعریف انگریز گورنروں، وائسرائے اور دیگر اہلِ علم انگریزوں نے کی ہے۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں عبرتؔ صاحبہ کے والد مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ محترمہ کی شادی سنہ ۱۹۰۵ء میں سید عبدالحئی صاحب سے ہوگئی۔ محترمہ کی صاحب زادیاں بھی شعر کہتی ہیں۔ موصوفہ کے پانچ اولاد ہیں تین لڑکے دو لڑکیاں۔ نمونۂ کلام:

لطف آتا ہے انھیں ہر ظلم نو ایجاد میں
چین آتا ہے مجھے درد دل ناشاد میں
دل کو دیکھوں یا جگر کو یا غم و اندوہ کو
ساز ہستی جل رہا ہے اب کسی کی یاد میں
جان مضطر، دل مکدر، قلب، محزوں چشم نم
ہائے کیا کیا بن گئی ہم پر کسی کی یاد میں

تجھے یاس رو چکی اب، تجھے شوق کھو چکا اب
ترا نوحہ ہو چکا اب مرے غم گسار سو جا

زاہد پوچھو نہ اس عشق بلاخیز کے ڈھنگ
نقش کو ذرا دل سے مٹاؤں تو کہوں

درد ہجراں کا یقیں آپ کو کب آئے گا
داغ ہائے دلِ مجروح دکھاؤں تو کہوں

نہ دل ہوتا تو کیوں فرہاد اپنی جان سے جاتا،
جہاں میں سیکڑوں شیریں ادا ہوتے کو کیا ہوتا

مجھے قسمت سے شکوہ ہے شکایت ان سے کیا عبرتؔ
ستمگر ہیں تو کیا ہے با وفا ہوتے تو کیا ہوتا

عابدہ، امراؤ بیگم

نواب یوسف علی خاں ناظم والی رام پور کی بیٹی عالمہ و فاضلہ خاتون تھیں۔ اردو، فارسی دیوان اور ایک مثنوی شکار سے متعلق تھی۔

صاحب تذکرۃ الخواتین نے تذکرۂ چمن انداز سے دو شعر نقل کیے ہیں: جویا مرحوم نے ان کے مصرع کو تضمین کرکے تاریخ وفات نکالی ہے — ۱۲۸۶ھ۔

یہ کرامت اس کی ہے جویا کہ خود فرما دیا
تا قیامت رحمت خلاق باری قبر کو
کشتہ ہیں اے لاغری ہم رنگ گندم گوں کے جو
ہے تسکن گندم کی بس کافی ہماری قبر کو

۱۲۸۶ھ

میر محمد علی جویا اپنی تصنیف "سرود غیبی" میں ان کی تاریخ وفات لکھتے ہوئے حسب ذیل الفاظ میں ان کا ذکر کرتے ہیں:

— "اللہ اللہ کس حمیدہ صفات عالی درجات کے غم کا بیان ہے کہ جس کے الم میں سیاہ پوش آسمان ہے۔ کون ہے جس کو اس کا غم نہیں ؟ جگر شق کب قلم نہیں ؟ وصاف اس مرحومہ کے لکھے

تو کیا لکھئے، کس تاب۔ خامہ کا زہرہ آب ہے۔ علم میں معروف، ہمہ صفت موصوف۔ منطق و حکمت جس کے سامنے پانی۔ ریاضی و فلکیات کہانی۔ ناظمِ بے تمثیل، نثر ظہوری و طغرٰی سے بہتر، آبِ حیات سے بڑھ کر۔ عیاں راچہ بیان۔ دیوان اردو، فارسی اس مغفورہ کے مخفی نہیں۔ مخفی کو اصلاح دی ہے۔ یہ تقریر راست ہے نہ مبالغہ کی ہے بعمر سی سال جہانِ فانی سے رخصت فرمائی ہے"

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

سخی و شاعر و صدر رشکِ خورشید   امیر و پارسا اہلِ ہنر تھی
نہ ہوگی اور ہوئی اب تک نہ ایسی   خدا جانے فرشتہ تھی بشر تھی

تاریخ:

از غم بیگم چہ گویم در جہاں   ہر زباں ہر کہ دمہ وائے وائے
گفت ہاتف بہرِ سالش ایں چنیں   بود بیگم فخرِ مریم ہائے ہائے
۱۲۸۶ھ

آگے کہتے ہیں راقم الحروف نے ان کا دیوان لاہور میں خان بہادر ذوالفقار حسین کے پاس دیکھا ہے۔ فارسی دیوان کا پتہ نہیں۔ اردو اشعار

بال چوٹی کے کریں گے بدنام
یہ موئے پیچھے پڑے رہتے ہیں

پلا دے اب تو اے ساقی مے گلنار تھوڑی سی
کہ باقی رہ گئی ہے عمر بھی اے یار تھوڑی سی

لپک کر ہاتھ تو قاتل نے پورا ہی لگایا تھا
مگر تقدیر سے اوچھی پڑی تلوار تھوڑی سی

خضر کورانہ چلے جاتے تھے راہ عشق میں
ایک ہی کھائی جو ٹھوکر پاؤں اوپر سے تلے۔

عصمتؔ[1] تخلص۔ رفعت زمانی بیگم نام۔

ملقب بہ راج ماتا۔ ریاست رامپور

رفعت زمانی بیگم۔ ایک نہایت ہی شریف، علم دوست اور صورت وسیرت کے اعتبار سے واقعی افغانی ہیں۔ جو شخص بھی محترمہ سے ملے گا۔ ان کی شخصیت، لباس جو خالص روایتی افغانی لباس ہے۔ لمبی قمیص، شلوار اور دوپٹہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، نہایت نرم گفتار، پروقار لب ولہجہ، محترمہ کے بزرگ کبھی صاحب سیف وقلم اور والیٔ طبل وعلم تھے۔ یہ بہاریں انھوں نے خود بھی دیکھیں اس لیے کہ نواب رضا علی خاں نواب رامپور کی ملکہ ہیں، جنھیں رام پور کے عوام محبت مادری کے جذبہ کے تحت راج ماتا کہکر پکارتے تھے۔ ان کے دو بیٹے نواب صاحب رام پور مرتضیٰ علی خاں سابق ممبر اسمبلی اتر پردیش اور نواب زادہ ذوالفقار علی خاں ممبر پارلیمنٹ ہیں اور دونوں ہی آج بھی رام پور کی سیاست پر پوری طرح اثر انداز ہیں۔ ایک غزل نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

ایسے بیمار کی دوا کیا ہے   جو بتاتا نہیں ہوا کیا ہے[1]
کون سنتا ہے اس زمانہ میں   کس سے کہیے کہ التجا کیا ہے
لب بیمار تھرتھراتے ہیں   جھک کے سنئے ذرا دعا کیا ہے

---

[1] اوراقِ گل۔ سلسلۂ مطبوعات کتاب خانہ رام پور ۳

مجھ کو جو دیکھتا ہے روتا ہے کوئی کیا جانے ماجرا کیا ہے
حضرت خضر بھی بتا نہ سکے زندگانی کا مدعا کیا ہے
در پردہ دوسروں کے ہمنشیں دنیا یہ بھی اچھا ہے تو برا کیا ہے
فخر خاتون ہند ہے عصمتؔ
ہم سے پوچھے کوئی وفا کیا ہے

غزالہ تخلص

میمونہ خاتون پنہاں کی بہن متوطن بریلی۔ مولوی عبدالاحد خاں صاحب کی بیٹی۔ موصوف الہ آباد کے سررشتۂ تعلیم تھے اور بریلی کے رہنے والے تھے۔

نمونۂ کلام۔

ندی کے کنارے

چتون کی سادگی میں اک برق شعلہ زا ہے۔
جس پر نظر پڑی وہ شعلہ بنا ہوا ہے
ہونٹوں میں ہے تبسم، نظریں جھکی ہوئی ہیں
معصوم حسن بے خود انگڑائی لے رہا ہے
ہاتھوں میں چوڑیوں کی رنگین لہریاں ہیں
اک نیم باز غنچہ کانوں میں ہنس رہا ہے
معصوم سادگی میں لاکھوں تجلیاں ہیں
ماتھے کا سُرخ ٹیکا چھپکا بنا ہوا ہے

مژگاں میں مست پتلی رقصاں ہے یا ستمگر
کالی گھٹا میں کوئی انگڑائی لے رہا ہے

گیسو سے نرم جھونکے، کچھ چھیڑ کر رہے ہیں
ان پیاری انکھڑیوں میں ساغر چھلک رہا ہے

بجلی تڑپ رہی ہے، ہر ہر نظر میں قاتل
ہر اک ادا میں ظالم شعلہ بھڑک رہا ہے

معصومیت کی پتلی، دیوی نزاکتوں کی
تیری ادا ہے سادہ جنت ہنس تو کیا ہے

فصیحہ خانم[1]

پردہ نشیناں ہرات کی عفت مآب خاتون۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کی شاعرہ۔ حبیب اللہ ترک سے شادی کر کے ہندوستان چلی آئی تھیں۔ دو رباعیات ملی ہیں۔

دیگر نہ زغم از جنوں خواہم خفت
نے از دل غم دیدہ بخوں خواہم خفت

زینگونہ بہ لبست نرگست خواب مرا
در گور بحیرتم کہ چوں خواہم خفت

روزے کہ بخواں وصل مہماں گشتم
شرمندہ ز انتظار ہجراں گشتم

زاں چشمۂ حیواں کہ کشیدم آبے
از زندگی خویش پشیماں گشتم

---

[1] تذکرۂ خواتین۔

قمرؔ[1]، قمر النساء

اشرف علی خاں مسرورؔ کی اہلیہ تھیں، میاں، بیوی دونوں شعر کہتے تھے۔ تذکرۃ الخواتین میں صرف پانچ اشعار مل سکے ہیں ؎

کریں کہہ دو منھ بند غنچے سب اپنا
میں لکھتی معمّا ہوں اس کے دہاں کا

جسے لوگ کہتے ہیں خورشید رخشاں
شرارہ ہے اک میرے سوزِ نہاں کا

مری آہ کی کارفرمائیاں ہیں
پتہ لامکاں تک نہیں آسماں کا

ہوئی ہوں تشنۂ جام شراب نزع کے وقت
اٹھوں گی حشر میں ساقی سبو سبو کرتی

* * *

وبال حضرت دل تم کو زیست ہو جاتی
جو تم سے لطفِ سرِ زلف مو بمو کہتی

---

[1] تذکرہ خواتین

زاہدہ کمال۔ کمالؔ تخلص

والد کا نام محمد اکرام خان۔ قصبہ شاہ آباد، مارکنڈہ ضلع کرنال میں پیدا ہوئیں۔ دینی تعلیم گھر پر حاصل ہوئی۔ اس کے بعد مدرسۃ البنات جہلم میں داخلہ لیا۔ پھر گورنمنٹ کالج جہلم سے میٹرک کا امتحان سکنڈ ڈویژن میں پاس کیا انٹر تک لاہور میں زیر تعلیم رہیں۔ فاضل اردو کا امتحان پاس کر کے آنرز کی تیاری شروع کی۔

شعر و ادب سے فطری لگاؤ تھا، قدرت سے اظہارِ ادا کا اچھا ڈھنگ ملا ہے

ہو گئے عنبر فشاں دونوں جہاں میرے لیے
مسکرایا گلشنِ کون و مکاں میرے لیے
کیا ہوا میں نے جو گائے نغمۂ دار و رسن
تم نے خود چھیڑ تھا سازِ امتحاں میرے لیے
آنکھ بھر آئی گلوں کے چاک داماں دیکھ کر
نشترِ غم ہے چمن کی داستاں میرے لیے
یہ سمجھ کر اپنی بربادی پہ ہنستی ہوں مدام
تیری دنیا میں نہیں شاید اماں میرے لیے

ہمکنارِ جلوۂ یزداں ہے میرا دل کمالؔ
کیف زا ہیں رات کی تنہائیاں میرے لیے

افسانۂ حیات بنی پھول بن گئی   جب مسکرائی کوئی کلی اضطراب میں
شامل نہ ہوتے حسن کے جلوے اگر کمالؔ   ہوتا کہاں یہ نورِ شبِ ماہتاب میں

جب تک تمہارا حسن نمایاں نہ ہو سکا
روشن چراغ عالمِ امکاں نہ ہو سکا

کہنا پڑا انھیں کو مسیحائے وقت بھی
جن سے ہمارے درد کا درماں نہ ہو سکا

گوہر، گوہر بیگم[1]

کابل میں پیدا ہوئیں۔ سدوزئی اور بارک زئی قبائل کے ہمراہ ہندوستان آئیں۔ امرت سر یا لدھیانہ میں سکونت اختیار کی۔ فارسی، اردو، اور پشتو تینوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ انتہائی حسین و جمیل تھیں؛ جس کا احساس خود بھی تھا۔

مہ وش و گلعذار ہیں ہم بھی   ایک بت نوبہار ہیں ہم بھی

* * *

ستم کر جور کر ظلم و جفا کر   پر اے ظالم کبھی مجھ سے ملا کر
لجا کر، شرم کھا کر، مسکرا کر   دیا بوسہ مگر کچھ منہ بنا کر

* * *

عشق کیا بلا ہوا صاحب   کس سے کہیے یہ ماجرا ہوا صاحب
غیر اچھا ہی ہوگا اپنے لیے   ہم کو کہتے ہو کیوں برا صاحب

* * *

درد کہتا ہے مجھ سے غربت میں
تم نہ گھبراؤ یار ہم بھی ہیں

---

[1] تذکرہ خواتین

بس اٹھ گئی رسم دل لگی کی   روئے وہ جو بات کی ہنسی کی
ابرو کو جو تیرے تیغ باندھا   یہ بات تھی اک رواروی کی
چھلنی داغوں سے دل ہے گوہرؔ   انگیا ملی ہم کو سوزنی کی

آئیے اے جان عالم آئیے
اپنے بندے پر کرم فرمائیے
عید آئی اور گیا ماہ صیام
چاند سا منھ آپ تو دکھلائیے
سال بھر گزرا امید وصل میں
عید کا دن ہے گلے لگ جائیے
اک گھڑی بیٹھنا دو بھر ہو
دل کو سمجھائیں گے اچھا جائیے

وصل کی کہتا ہوں جب گوہرؔ سے میں
ہنس کے کہتے ہیں کہ منھ بنوائیے ،

لطیفہؔ[1]، لطیف النساءؔ

پٹنہ کے ایک پٹھان تشیر خاں کی بیوی۔ اردو، فارسی دونوں میں شعر کہتی تھی ؎

یہ طفل اشک مرے جس گھڑی مچلتے ہیں
تو پھر ہزار سنبھالو نہیں سنبھلتے ہیں

یقیں نہ واللیل پر کریں گے جو تیرے گیسو نہ دیکھ لیں گے
رہیں کے مصحف سے بلکہ منکر۔ جو تیرے رو کو نہ دیکھ لیں گے

"فارسی غزل"

یاد زلف سر بسر داریم ما شغل ایں شام و سحر داریم ما
گاہ سر بر سنگ و گہ بر سنگ سر کے جز ایں شغل دگر داریم ما
دیدہ ام حسن آفتاب در روئے تو بر رخ مہ چوں نظر داریم ما

---

[1] مشاہیر نسواں

کاوشے بیجاست اے چرخ عدو صاحب حشمت نہ زر داریم ما
گاہ در کعبہ و گہ در بتکدہ جستجوئیت در بدر داریم ما
از کسے پرسم من ز حال رفتگاں کس نمی گوید خبر داریم ما

بیم و غم ہرگز نمی دارم لطیف
لیک از محشر خبر داریم ما

محمودہؔ ، محمودہ اختر[1]

ڈاکٹر رضا خان کی صاحب زادی، شعر خوب کہتی ہیں۔ محمودہ اختر کے نام سے آپ کے مضامین بھی سفینۂ نسواں میں چھپ چکے ہیں ؎

موسم بہار کا ہے چمن پر بہار ہے
بلبل فدائے گل ہے گلوں پر نکھار ہے

پھولوں میں شامل رہی ہیں سبھی گل کی ڈالیاں
ہر نخل باغ رشکِ صد لالہ زار ہے

میلاد شہ کا دن ہے کہ یہ روز عید ہے
اک بادہ خوار کا سا صبا میں خمار ہے

بلبل چہک کے کہتی ہے مدّت کے بعد پھر
گلشن میں آج آمد فصلِ بہار ہے

---

[1] سخنوران دکن

مہری[1]

ہرات کی رہنے والی۔ حکیم عبدالعزیز کی بیوی۔ مہری اور حکیم صاحب میں اکثر چوٹیں چلا کرتی تھیں۔ ایک روز مہری "قصر جہاں نما" پر نور جہاں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ادھر سے حکیم صاحب مہری کے شوہر آتے دکھائی دیے۔ نور جہاں کو کچھ مذاق سوجھا اور مہری سے کہا کہ حکیم صاحب کو جلدی بلاؤ۔ چنانچہ ان سے کہا گیا۔ ادھر انھوں نے جلدی چلنا چاہا۔ مگر ضعف نے جلدی قدم بڑھانے کی اجازت نہ دی۔ اور کچھ عجیب غریب حرکات دکھائی دیں۔ نور جہاں کو ہنسی آگئی۔ اور اس نے مہری سے انھیں حرکات کو نظم کرنے کو کہا مہری نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے ؎

مرا با تو سر یاری نہ ماندہ
دل مہر و وفاداری نہ ماندہ

ترا از ضعف پیری قوت و زور
چنانکہ پائے برداری نہ ماندہ

* * *

کردم براوج۔ برج مہ خویشتن طلوع
ہاں اے حکیم طالع مسعود من نگر

---

[1] تذکرہ خواتین

حل ہر نکتۂ که از پیر خرد مشکل بود
از سبودیم بیک جرعۂ مے حاصل بود

گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت مے
در ہر کس که زدم آن خر لایعقل بود

خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع
داشت خود او بزبان آنچه مرا در دل بود

در چمن صبحدم از گریہ و زاری دلم
لاله سوخته خون ز دل و پا در گل بود

آنچه از بابل و ہاروت روایت کردند
سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود

دولتے بود تماشائے رخت مہری را
حیف صد حیف که این دولت مستعجل بود

مخفیؔ، سعیدہ جہاں

قمر شاہ خاں صاحب بی۔ اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا کی بیٹی۔ قمر شاہ خاں صاحب رام پور کے رئیسوں میں تھے۔ قمر شاہ خاں کے نانا محمد عثمان خاں صاحب رامپوری کا تذکرہ مولانا احسن مارہروی کی تاریخ نثر اردو حصہ اول اور تذکرہ کاملان رام پور میں موجود ہے۔

محترمہ مخفی صاحبہ ۱۵ ؍ جولائی ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئیں۔ نمونۂ کلام۔

نہ کترا کے رستہ، نہ گھبرا کے بھاگو
نہیں ہے یہ مخفیؔ کی تربت نہیں ہے

غم مخفیؔ ہی علاج غم نسواں ہو گا — درد دل آپ ہی اب درد کا درماں ہو گا
روح بیداریٔ احساس پہ یوں مائل ہے — جذب دل جرأت نسواں ہی پہ نازاں ہو گا

غزل

اپنی کھوئی ہوئی توقیر نمایاں کر دیں　　کیوں نہ تاریکئ محفل کو فروزاں کر دیں
نورِ سلطانۂ رضیہ کی حمیت کی قسم　　گنبدِ چرخ کو اک بار تو لرزاں کر دیں
فاطمہ زہرہ کے دلدوز تحمل کی قسم　　عظمتِ رفتہ سے دنیا میں چراغاں کر دیں
جبر اور ظلم کی بنیاد کو ڈھا کر بہنو　　آؤ اب ہمتِ مردانہ کو حیراں کر دیں
تفرقے سارے یہ دیس کے مٹا ڈالیں ہم　　آؤ اب جرأتِ نسواں کو نمایاں کر دیں

ہند ویران ہوا ہم کو ہی مخفی رکھکر
اٹھو اس اجڑے گلستاں میں بہاراں کر دیں

دخترِ اسلام سے خطاب

دخترِ اسلام تو آغاز خوش انجام ہے
تو نہیں شامل تو ہر کارِ جہاں ناکام ہے
کیوں نہیں آزاد ہوتی ان قیودِ خام سے
کیوں پریشانی ہے تجھکو اس اندھیری شام سے
دردِ قومی کی تڑپ سینے میں گر باقی ہے تو
سوزِ ملت کی خلش کا کچھ اثر باقی ہے تو
قوم تیری کیوں تباہی کی طرف جاتی ہے اب
سوچ کر شاید یہی اس درجہ شرماتی ہے تو
ظلمتِ دیرینہ میں آخر چلی جاتی ہے کیوں
بحرِ افکارِ مسلسل میں بہی جاتی ہے کیوں
تیرا ساحل چھوٹتا ہے اور تو خاموش ہے
تیرا بیڑا ڈوبتا ہے اور تو خاموش ہے
دوسری قومیں فضیلت پا رہی ہیں تجھ پہ اب
زحمتوں پر زحمتیں کیوں چھا رہی ہیں تجھ پہ اب
یادگارِ عظمتِ رفتہ ہے تو! خاموش ہے؟
دلفگار اب غیرتِ رفتہ ہے تو خاموش
یاد کر پچھلے سبق، پچھلی وفا، پہلی وہ شان
یاد کر وہ آن بان اے دخترِ ہندوستان
ہاں الٹ خود داریِ نسواں کے وہ پہلے ورق
یاد کر تہذیب اور اخلاق کے بھولے سبق
تیری دنیا لٹ رہی ہے تو بھی اب بیدار ہو
چپ پڑی کیوں گھٹ رہی ہے تو بھی اب بیدار ہو
ہاں خدا رحم کر یہ خوابِ غفلت کب تلک
جبر و استبداد یہ قہر و ذلت کب تلک
خنجرِ حق ہاتھ میں لے شورِ آزادی مچا
عزم کے طوفان بپا انصاف کے بادل اٹھا
ذوق میں زیب النسا بن ہمت رضیہ دکھا
عقل میں تو نور بن اور عفت زہرہ دکھا
تو سہارا ڈھونڈھتی ہے خود سہارا بن کے آ
خونِ ملت سرد ہے اب تو شرارہ بن کے آ

دخترِ اسلام اپنی شان اب مخفی نہ رکھ
جوش میں آ گرمیٔ ایماں اسے مخفی نہ رکھ

نازؔ ، نازنیں بیگم[؂]

آبائی وطن شاہجہانپور۔ پیدائش قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد، یو۔پی میں ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ والد محمد الطاف علی خاں ریاست محمودآباد میں تحصیلدار تھے۔

اردو فارسی کی تعلیم اپنے نانا محمد اسد خاں مرحوم سے پائی۔ مرحوم اردو فارسی، عربی اور انگریزی کے بڑے عالم و فاضل تھے۔ شروع میں نانا ہی کو کلام دکھایا۔ بعد میں جب پختگی آگئی تو نثر کی طرف راغب ہوئیں اور مضمون نگاری و افسانہ نگاری شروع کی۔ ۱۹۴۳ء میں محمد تقی خاں سے شادی کے بعد گھریلو زندگی کی ذمہ داری کی وجہ سے شاعری ترک ہوگئی۔ تقسیم کے بعد پاکستان آگئیں اور شاہجہاں پور چھوٹ گیا۔ کراچی میں قیام ہے اور شعر و سخن کی مشق جاری ہے ؎

مری عمرِ گذشتہ کی حقیقت پوچھنے والو
مجھے وہ عمر، عمرِ رائیگاں معلوم ہوتی ہے

شناشا سا تصور ہے نازؔ ماضی کا
حیات نو ہے اب اس عمرِ رائیگاں سے گریز

نازؔ نے حالات اور وقت کے تقاضوں کو سمجھ کر شاعری کی ہے۔ شادی سے قبل

[؂] تذکرہ شاعرات پاکستان

کچھ تھوڑی مدت لکھنؤ میں بھی قیام رہا ہے۔ لکھنؤ اور شاہجہاں پور کی علمی و ادبی مجالس سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی شاعری میں نسوانی جذبات پوری شدت سے پائے جاتے ہیں ورنہ شاعر و شاعرہ کے کلام میں فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ سخن گوئی کے علاوہ سخن فہمی کی صلاحیتیں بھی پائی جاتی ہیں۔

نمونۂ کلام:

نظر جب سے کسی کی مہرباں معلوم ہوتی ہے
یہ دنیا گلستاں در گلستاں معلوم ہوتی ہے
سزا ہر جرم کی منظور ہے مجھکو مگر یہ کیا؟
کہ ہر لغزش پہ فطرت ہم زباں معلوم ہوتی ہے
وہاں اپنا سفینہ لے چلی ہوں میں ڈبونے کو
جہاں ہر موج بحرِ بیکراں معلوم ہوتی ہے
گئے، وہ دن کہ لطف آتا تھا کانٹوں سے الجھنے میں
ہنسی بھی اب تو پھولوں کی گراں معلوم ہوتی ہے
یہ کس جنت میں لے آیا ہے پیمانِ وفا دل کو
کہ ہر صورت یہاں آرامِ جاں معلوم ہوتی ہے

جو گذری ہے کسی کے ساتھ اس عمرِ دو روزہ میں
وہ ساعت تا آذ عمرِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

اس احتیاط نے افشا کیا ہے راز جنوں
نہ اس کے سامنے آؤں نہ کچھ کہوں نہ سنوں
چلی ہوں انجمن شوق کی طرف لیکن
بہ احتیاط دل و جاں بہ حالت محزوں

قسم خدا کی یہ وارفتگی نہ تھی مجھ میں
کسی کے عشق سلیقہ شعار سے پہلے
سدا بہار رہو تم اور میری قسمت ہو
کوئی بہار نہ تھی اس بہار سے پہلے

خلوت ناز میں کچھ اور ہی رونق ہوتی
کوئی خلوت میں اگر انجمن آرا ہوتا

نظیرؔ محسن، نظیر جہاں[1]

پہلے نازؔ تخلص کرتی تھیں۔ شاہجہانپور وطن تھا۔ بچپن لکھنؤ اور بریلی میں گذرا۔ والد محسن علی خاں پولیس کے عہدیدار تھے انھیں کی مناسبت سے نظیرؔ محسن لکھتی ہیں۔ والد پولیس کے محکمہ سے وابستگی کے باوجود علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے۔ محققانہ کتابیں پڑھتے تھے۔ اسلامیات اور تاریخ کے مطالعہ کا شوق تھا۔ نظیر جہاں کو بھی علمی و ادبی کتابیں پڑھنے کا شوق رہا۔

ابتدائی تعلیم لکھنؤ کے لال باغ کانونٹ اور کرامت حسین مسلم گرلز کالج میں ہوئی۔ فسادات کے زمانہ میں ایک سال حیدرآباد میں بھی گذرا۔ ایم اے و بی۔ ایڈ پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ پاکستان میں قیام ہے جہاں ایک گورنمنٹ کالج میں اردو کی لکچرار ہیں۔

محترمہ کے دادا کو مشاعرے منعقد کرنے کا شوق تھا۔ ایک بار دادا کو خط لکھا تو اس میں اکبرؔ کا ایک مزاحیہ شعر بھی نقل کر دیا۔ انھوں نے پوتی سے کہا:

"بات تو جب ہے کہ اپنے آپ شعر کہو"

بس کہنا شروع کر دیا۔ تقسیم سے پہلے نظیرؔ کا جوان بھائی معمولی علالت کے بعد فوت ہو گیا۔ بھائی کی موت، فسادات کی تباہی، حیدرآباد کی بربادی، پاکستان

---

[1] تذکرہ شاعرات پاکستان۔

کو ہجرت اور والد محترم کی وفات ان حادثات نے دل پر عجیب اثر ڈالا لکھنے پڑھنے کا حوصلہ پست ہو گیا مگر شاعری بہرحال جاری رہی ؎

غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہوا ؎

امنڈ رہی ہیں گھٹائیں کہ زلف برہم ہے
چھلک رہا ہے خم ہے کہ آنکھ پرنم ہے

نشاط زیست میسر نہیں تو کیا شکوہ
مجھے حیات سے بڑھ کر حیات کا غم ہے

پھر آج گردش دوراں سے مات کھائی ہے
بساط دل ہی الٹ دو کہ حوصلہ کم ہے

ٹھہر جائے کہیں نبض گردش دوراں
تری نگاہ کرم کا کچھ اور عالم ہے

نہ شور نغمہ نہ رقص سبو نہ خندۂ گل
چمن میں آج نگار چمن کا ماتم ہے

نفاست لالہ و گل میں وہ تازگی نہ رہی
وہ کیا گئے کہ بہاروں میں دلکشی نہ رہی

قدم قدم پہ ہیں چھائے ہوئے اندھیرے سے
لہو کے دیپ جلاؤ کہ روشنی نہ رہی

مزاجِ عشق نے آدابِ حسن اپنائے
دیارِ عشق میں وہ رسمِ بندگی نہ رہی

مرے خلوصِ وفا سے عبث شکایت ہے
نگاہِ ناز میں بھی شانِ دلبری نہ رہی

چمک اٹھا ہے تری یاد میں حریمِ خیال
شبِ فراق فضاؤں میں تیرگی نہ رہی

تری نگاہِ کرم زندگی سنوار گئی
جہانِ دل میں وہ پہلی سی برہمی نہ رہی

چلو کہ حلقۂ دار و رسن کی بات کریں
فسانۂ گل و بلبل میں دلکشی نہ رہی

✓

کہیں بکھر کے نہ رہ جائیں دھڑکنیں دل کی
مزاجِ دوست ہے آمادہ برہمی کے لیے

نشاط زیست میسر نہیں تو کیا غم ہے
غم حیات ہی کافی ہے زندگی کے لیے ۔

بہار تو نے تبسم گلوں سے چھین لیا
چمن میں پھول ترستے ہیں اک ہنسی کے لئے

مرے محبوب نہ کر میرے تغافل سے گلہ
مجھکو ہر حال میں منظور تری دلجوئی

میری غیرت کو محبت کی ترازو پہ نہ تول
امتحاں اس سے بڑا اور نہ ہوگا کوئی

مجھ کو معلوم کہ ہے تجھکو بہاروں کی تلاش
میری دنیا میں مگر پھول نہیں کانٹے ہیں

فہرست کتب

جن سے اس کتاب کی تیاری میں مدد لی گئی

۱۔ اٹک کے اس پار
۲۔ اذکار خواتین
۳۔ اردو شاعری میں خواتین کا حصہ
۴۔ ارمغان اسرائیل
۵۔ افغان اور پٹھان
۶۔ اقوام افغانستان (انگریزی ایچ۔ ڈبلیو۔ بیلو)
۷۔ انسائیکلوپیڈیا آف برطانیہ "
۸۔ " " انڈیا " اے بالفور)
۹۔ باختر (انگریزی لارنس)
۱۰۔ بھرت سمہنیا
۱۱۔ بیگمات بھوپال
۱۲۔ پاک مسلینی مقالہ (احمد چھاگلہ)
۱۳۔ پٹے خزانہ پشتو
۱۴۔ پشتنے میرمنے "
۱۵۔ پشتو عورت "
۱۶۔ پشتو ادب پشتو
۱۷۔ پختونستان کا مطالعہ ستانتی رنجن بھٹاچارج کلکتہ
۱۸۔ تاریخ آزاد پٹھان
۱۹۔ تاریخ ایران سرجان مالکم
۲۰۔ تاریخ شام (انگریزی بیٹن)
۲۱۔ تاریخ ہند (" الفنسٹن)
۲۲۔ تذکرۂ جلیل
۲۳۔ تذکرہ چمن انداز
۲۴۔ تذکرہ خواتین
۲۵۔ تذکرہ شاعرات پاکستان
۲۶۔ تذکرۂ شمیم سخن
۲۷۔ تذکرۃ النساء
۲۸۔ جرنل آف دی پولیٹیکل مشن ٹو افغانستان ۱۸۵۸ء (انگریزی)

۲۹۔ حیات زرتشت

۳۰۔ حدود العالم

۳۱۔ خواتین دکن کی اردو خدمات

۳۲۔ خورشید جہاں

۳۳۔ رسالہ زمانہ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۶ء

۳۴۔ سخن شعرا

۳۵۔ سراپا سخن

۳۶ سفر نامہ ہو انگ سوانگ

۳۷۔ سخنوران دکن

۳۸۔ سیاحت مشن افغانستان (انگریزی ڈاکٹر بیلیو)

۳۹۔ طبقات ناصری

۴۰۔ فرہنگ جہانگیری

۴۱ کتاب سائنس آف ریلیجن (انگریزی ڈولانگ)

۴۲۔ گزیٹیر آف افغانستان

۴۳۔ گل رعنا

۴۴ گلستان سخن

۴۵۔ گلشن بے خار

۴۶۔ گلشن عشق

۴۷۔ گلدستہ نازنیناں

۴۸۔ لغات القرآن جلد اول

۴۹۔ لنگوسٹک سروے آف انڈیا

۴۹۔ لینڈ آف فائیو ریورز (انگریزی ڈربوسکن)

۵۰۔ مجلہ پشتو۔ پشتو اکاڈمی پشاور جلد ۱ نمبر ۲۔ سنہ ۱۹۵۹ء

۵۱۔ ماہ درخشاں

۵۲۔ مرقع سخن

۵۳۔ مخزن الغرائب

۵۴۔ مشاہیر نسواں

۵۵۔ نگارستان سخن

۵۶۔ نیرنگ افغان

۵۷۔ وادی سندھ (انگریزی ڈان ۱۰ اپریل ۱۹۵۱ء کراچی

یوسف زئی افغان

مُصنّف
کی دیگر
مَطبُوعات

- تعارف زبان فارسی تازہ
- تعارف ادبیات فارسی (ترجمہ)
- فارسی شاعری میں طنز و مزاح

زیرِ طبع

- رَخشِ تنقید۔ (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)
- تاریخ ادبیات فارسی
- پٹھان صوفیہ
- اردو فارسی شاعری میں پٹھانوں کا حصہ

غلط نامہ

صفحہ نمبر	غلط	صحیح
۱۳	نا	ناز
۹۴	زاہدوں	زاہد
۹۷	لیثت	لیست
۱۰۷	کشی	کشش
۱۰۹	ش	ہوش
۱۱۱	تہ	نہ
۱۲۱	سب	سے
۱۴۳	ترا	تراش
۱۴۷	شرم	سرم
۲۰۰	نرع	نزع
۲۰۳	سوزنی	سوزن
۲۱۵	بہادر	بہار
۲۱۷	سکوہ	شکوہ